شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات

۵ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۷۰ع

مدیر سید محمد الحسنی
معاون سید [illegible] ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ ❴ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

Regd No L 1981
FORTNIGHTLY
Phone 22948
TAMEER - E - HAYAT
Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

مکتبۂ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

معلم الانشاء

(از مولانا عبد الماجد صاحب ندوی و مولانا محمد رابع صاحب ندوی)

انشاء تمام زندہ زبانوں کا اہم مضمون ہے۔ موجودہ جمہوری دور اور صحافتی و مجلسی زندگی نے بھی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، ملکوں اور قوموں کے ارتباط و تعلق نے اسکو صرف اجتماعی و ادبی بلکہ دینی اہمیت بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ان کے ایک ایسے سلسلے کی ترتیب دی ہے جو عربی مدارس کے اساتذہ کی پوری رہنمائی کر سکے اور عربی مدارس میں تعلیم انشاء کا نصاب بن سکے۔

کاغذ کتابت و طباعت معیاری۔ حصہ اول (مولانا عبد الماجد ندوی) قیمت ۱/۷۵
حصہ دوم (" " ") " ۲/۶۲
حصہ سوم (مولانا محمد رابع ندوی) " ۲/۵۰

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت Rs 3

مسئلۂ ختم نبوت — علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

اس کتاب میں مسئلۂ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہو جائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے!

قیمت: ۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

اردو عربی ڈکشنری

مؤلف۔ مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ شاندار اردو عربی لغت اپنی غیر معمولی خصوصیات کی وجہ سے لاجواب ہے ۵۵ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا۔ اس کتاب کی تالیف پر حکومت یو۔پی نے مصنف کو گراں قدر انعام دیا تھا۔ یہ ڈکشنری علماء و طلباء اور عربی زبان کے شائقین سب کیلئے یکساں مفید ہے خاص کر مدارس کے طلبہ کیلئے یہ نہایت بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت۔ مجلد رنگین [illegible] روپے

الادب العربی
بین عرض و نقد

از مولانا سید محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عربی ادب کی تاریخ اور تنقید کے موضوع پر ہندوستان میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے جو الادب العربی بین العرض والنقد کے نام سے عربی زبان میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پیش کی ہے۔ اس کتاب میں عربی ادب کی تاریخ پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔
ادب کی حقیقت ۔ تنقید و تجزیہ ۔ ادبی نمونے
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ خوبصورت عربی ٹائپ پر یہ کتاب چھپ کر تیار ہو گئی ہے

(قیمت صرف چار روپے)

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

ایک مرد درویش

(سید محمد ثانی حسنی)

آج دنیا میں خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے مگر درد و محبت کی متاع گرانمایہ مفقود ہے۔ تن کی دنیا میں سود و سودا اور مکر و فن کا بازار گرم ہے اور سوز و مستی کی دولت جہاں سے ملتی تھی وہ دکان خدا جانے کب سے بند پڑی ہے۔

وہ جو بیچتے تھے دوا، دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

حالاں کہ درد محبت کی متاع ایسی متاع ہے جو سارے عالم کی جان ہے اس کے بغیر دنیا کا بازار سونا ہے اور بھرا ہوا گھر ایک ویرانہ۔ اقبال نے کہا ہے ؎

در خرمن کائنات گزریم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

ایک زمانہ تھا جب کہ ہر ہر شہر اور ہر قصبہ میں خدا کے نیک بندے دوائے دل کی دکان سجائے بیٹھے تھے اور ہر طالب محبت کو دوا بانٹا کرتے تھے۔ زمانہ نے ایسی کروٹ بدلی کہ نہ تو دوا دینے والے رہے نہ وہ جذب و مستی کی بزم رہی نہ وہ طالبین محبت کا ہجوم رہا مادیت کے سیلاب نے اہل اللہ کی ان کشتیوں کو حوادث کی موجوں کے سپرد کر دیا۔

نہ ڈھونڈ اہل دل کو اب کہ جوش قلزم فنا
متاع درد جن میں تھی وہ کشتیاں ڈبو چکا

مگر ان حوادث اور قلزم فنا کے جوش کے باوجود اب بھی کہیں کہیں یہ کشتیاں تیرتی ہوئی موجوں سے مقابلہ کرتی نظر آتی ہیں اور ان کشتیوں کے چلانے والے ہمت و استقلال سے ان موجوں کو چیرتے اور سیلاب بلا کا مقابلہ کرتے آگے بڑھ رہے ہیں۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

آج کی مجلس میں ایک ایسے ہی مرد درویش کا ذکر ہے جس کے انداز خسروانہ نے مدتوں اپنا چراغ جلایا اور تند و تیز ہوا میں بھی بجھنے نہ دیا بلکہ ہزاروں بھٹکنے والے انسانوں کو روشنی بخشی وہ مرد درویش اب سے کچھ دن پہلے بھوپال کی زینت بنا تھا اور دوائے دل تقسیم کیا کرتا تھا اور درد و محبت کی آگ سے مردہ دلوں کو گرماتا۔ اس مرد درویش کا نام نامی شاہ محمد یعقوب تھا جو ایک مبارک خاندان کے فرد فرید تھے یعنی حضرت مجدد الف ثانی احمد سرہندی کے چشم و چراغ اور نقشبندی سلسلہ کے قلب و دماغ شاہ محمد یعقوب اپنے نانا اور جد شاہ ابو احمد صاحب کے مجاز تھے ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے مدتوں حیدرآباد میں رہے اور ایک عرصہ سے بھوپال میں اپنے والد کی خانقاہ کو آباد کئے ہوئے تھے اور تشنگان علم و معرفت کو سیراب کر رہے تھے۔

سب سے پہلے میں نے شاہ صاحب کی زیارت ۱۹۵۹ء میں لکھنؤ میں کی ان کے ملفوظات سنے۔ ایمان پرور حکایات، یقین افروز محبت نے دل و دماغ پر گہرے نقوش ڈالے شاہ صاحب کی بیقرار طبیعت، بیچین دل اضطراب و بے کلی نے ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ رفتہ رفتہ شاہ صاحب کی خدمت میں ملک کے اہل علم اہل دل اہل دین و سیاست، اہل ثروت و جاہ پہونچنے لگے، ملفوظات و تکلمات نے دلوں کو مسخر کرنا شروع کر دیا اور چند ہی دنوں میں شاہ صاحب کی خانقاہ طالبین معرفت سے معمور ہونے لگی اور شاہ صاحب کی بیقرار طبیعت اور بیقرار ہوگئی ایک سیمابی کیفیت پیدا ہوگئی اور جذب و مستی کا بازار گرم ہوگیا۔ آخری بار میں ان کی خدمت میں اب سے ایک ماہ پہلے حاضر ہوا اور تین دن ان کی مجلس میں شرکت کی میں نے ان کی صحبت میں کیا دیکھا، کیا پایا وہ بیان سے باہر ہے درد و محبت کی دولت لٹتی دیکھی۔ دوائے دل بٹتی دیکھی۔ دنیا ایک حقیر چیز لگنے لگی، دل کو تسکین ملی ایمان و یقین کی دولت ہاتھ آئی اور استغنا و خودی کی نعمت کی سرفرازی ملی۔ افسوس ہے کہ شاہ صاحب کو کم لوگوں نے جانا، مگر جس نے جانا اس نے اپنی منزل مقصود پالی۔ جس نے قدر کی وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوا جس نے کچھ خدمت کر لی وہ بزم یقین سے مست و سرشار ہوا۔ اور جب بھی اٹھا تو یہ کہتا ہوا اٹھا۔

اٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہوں اس کی بزم سے
دل کی تسکین کا مگر ساماں اسی محفل میں ہے

شاہ صاحب کا نظام الاوقات حسب ذیل تھا

فجر کی نماز اول وقت ادا کرتے پھر اشراق تک مصلی پر تسبیحات وغیرہ پڑھتے اشراق کے بعد مصلے سے اٹھتے اور بغیر ناشتہ کئے خانقاہ میں تشریف لاتے اور درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے پہلے قرآن شریف سناتے پھر ایک رکوع کا ترجمہ اور احسن التفاسیر سے کچھ حصہ تفسیر کا پڑھتے، پھر مشکوٰۃ کی چند حدیثیں معہ ترجمہ و تشریح کے سناتے اسی دوران ایک دو کتابوں کا سبق کسی عالم سے لیتے اسی اثناء میں مریضوں کا دیکھنا اور ڈاک کا پڑھنا بھی ہوتا۔ خطوط کے جوابات، حاضرین سے خطاب، شریعت و طریقت کے اہم نکات، نصائح و ہدایات کا سلسلہ جاری رہتا بارہ بجے گھر تشریف لے جاتے کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ کرتے پھر نماز ظہر ادا کرتے اس کے بعد تلاوت عصر سے مغرب تک تسبیحات کا ورد رکھتے، مغرب بعد اوابین پڑھتے درمیانی اوقات میں ذکر و تسبیح، بعد نماز عشاء آرام، ہر جمعہ کو بعد مغرب ختم خواجگان ہوتا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حضرت شاہ صاحب کی مجلسوں کو قلمبند کیا ہے جو عنقریب کتابی شکل میں شائع ہوں گی جب ان کے ملفوظات کے پڑھنے سے دل پر اثر پڑتا ہے اور ایمان و یقین کی گہری چھاپ پڑتی ہے تو ان کی صحبت و خدمت کتنا اثر رکھتی ہوگی۔ وہ ان سے پوچھئے جو ان کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں۔

شاہ صاحب کا انتقال بھی عجیب کیفیت کے ساتھ ہوا مکمل ہوش تھا۔ روح نکل رہی تھی خود فرماتے جاتے تھے کہ دیکھو یہاں سے نکلی اب یہاں پہونچی اب سینہ تک آئی اور اب میں رخصت ہوا۔ خود سورہ یٰسین پڑھی دوسروں کو تلقین کی اور کلمہ پڑھتے رہے اور ہنستے مسکراتے یہ جا وہ جا، کہتے ہیں کہ بھوپال کی تاریخ میں جنازہ میں ایسا ازدحام اس سے پہلے کم ہوا ہوگا۔ ٹریفک رک گیا۔ سڑکیں بھر گئیں، گلیاں بند ہو گئیں یہ صرف مرد درویش کی صفت ہے کہ وہ زندگی میں بھی جہاں جاتا ہے تو کوہ و بیاباں کو گلستان بنا دیتا ہے اور بعد مرگ بھی وہ غریب نہیں رہتا۔

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی پرچہ ۳۵ پیسے

پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ
شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد (۷) شمارہ (۱۵)

۵ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ
مطابق
۱۰ جون ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موجودہ واقعات کا ایک المناک پہلو

از ـــــــــ محمد الحسنی

دارالعلوم میں جو واقعہ پیش آیا ہے اس کی تفصیل آپ کو آئندہ صفحات سے معلوم ہوگی لیکن اس داستان کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس میں شائستگی و ادب کا وہ لحاظ نہیں رکھا گیا جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بڑی خصوصیت سمجھا جاتا تھا علامہ شبلی کے سلسلہ میں حق تلفی کا الزام، کھانے کی شکایت نگرانوں سے ناراضگی یا اساتذہ سے بے اطمینانی، امتحان کا التواء اور عدم التواء، گرمی اور سردی، انمیں سے کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جسکے لئے معقولیت و سنجیدگی، ادب و شائستگی کو مجروح کرنا اور اپنی نیک نامی کو بٹہ لگانا ضروری ہو۔ مطالبات کی منظوری و عدم منظوری سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ہمارا یہ اقدام وقتی جوش اور طرز عمل ملت کے سامنے ہماری کیا تصویر پیش کرےگا۔ بری بات اچھے طریقے سے بھی منوائی جا سکتی ہے اور اچھی بات بھونڈے طریقے سے بھی یہ تو صرف حسن نظر یا حسن عمل کا کرشمہ ہے اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اپنے مطالبات منوانے کیلئے بدتہذیبی کا مظاہرہ یا تشدد اور دھمکی کا انداز اختیار کرنا ضروری ہے تو یہ اس کی ذہنی بیماری ہوگی حقیقت پسندی نہیں۔

یہ موجودہ واقعات کا وہ سب سے المناک رخ ہے جس نے سب سے زیادہ خود طلبہ کو نقصان پہونچایا ہے اور اب شاید ان کو اس نقصان کا احساس بھی ہو۔ "لیک بعد از خرابی بسیار" منتظمین کو چھوڑ کر جن سے ان کو براہ راست شکایات تھیں اپنے مشفق اساتذہ کیساتھ ہمارے ان طلبہ نے جو برتاؤ کیا وہ اس سے زیادہ حیرت انگیز اور افسوس ناک ہے یہ سودا تھا چند مطالبات کے درمیان اور ندوہ کی تاریخ، ندوہ کی ثقافت اور ادب و شائستگی کے درمیان۔

ایک طرف چند مطالبے اور چند نعرے تھے دوسری طرف مولانا سید محمد علی مونگیری علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے مایہ ناز اسلاف کی میراث تھی ندوہ کے سینکڑوں عظیم فرزندوں اور بلند پایہ مصنفوں کا وہ ترکہ اور وسیع القلبی اور وقار و سنجیدگی کا وہ عظیم سرمایہ تھا جو طویل برسوں کے بعد سینکڑوں ایثار پیشہ اور مخلص مدرسین کی کوششوں کے نتیجہ میں تیار ہوا تھا افسوس کہ ہمارے ان طالبعلموں نے پہلی چیز کو ترجیح دی اور ایک موہوم چیز کے لئے معلوم چیز سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ معلم کی شخصیت کی دلآویزی اور اسکی عظمت کا صحیح ادراک اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ معلم یا طالبعلم ہی اسی طرح طالبعلم کے جوہر و کمال کا صحیح احساس اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ معلم ہے اس لئے ہماری یہ شکایت بیجا نہیں ہو سکتی۔

اپنی قوت کا اظہار، یا طاقت کے بل پر مطالبہ منوانا وہ نقطہ ہے جہاں سے برائی کا آغاز ہوتا ہے یہ طرز فکر ایک برائی سے دوسری برائی تک لیجاتا ہے اس میں کونپلیں پھوٹتی ہیں جیت ہار، انتقام اور رد عمل اور جواب الجواب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس لئے دارالعلوم کے بہی خواہ کی حیثیت سے ہمارا پہلا فرض یہی ہے کہ ہم بھڑنے مرنے سے اپنے کئے ہوئے کا جائزہ لیں تحمل اور حقیقت پسندی کے ساتھ، اور ان صفات کو سامنے رکھ کر جو ایک عام مسلمان مدرسہ کے طالب علم میں دیکھنا چاہتا ہے اور جس کیلئے وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے سے دور رکھتا ہے اور اس کی امید رکھتا ہے کہ انشاء اللہ چند سال کے بعد وہ ایمان اور علم کی روشنی لے کر اس کے گھر واپس آئیں گے۔

طالب علم کے نفع و نقصان کا جتنا بہتر اندازہ ایک سرپرست استاد اور معلم کو ہوتا ہے وہ طالبعلم کو نہیں ہو سکتا، مدرسہ کے ذمہ داروں کا یہ پہلا فرض ہے کہ وہ بچوں کے لئے بہتر ماحول، بہتر غذا اور بہتر انتظام اور بہتر علم کا سامان کریں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر قسم کے مطالبات ماننے پر مجبور کئے جائیں اور ہر طالبعلم کی خواہش پوری کریں۔

ابھی کچھ گیا نہیں ہے ہم ایک بہت بڑی جگہ ہیں ہمارے والدین اور سرپرستوں کو ہم سے بڑی توقعات ہیں ملت ہمارے لئے چشم براہ ہے سنجیدگی و شرافت کی باقی ماندہ متاع اب بھی ہماری منتظر ہے، مادر علمی اب بھی ان کو سینے سے لگائے رکھنے کے لئے بے چین ہے جو حقیقت میں اس کے لئے بے چین ہوں۔ معقولیت اور شائستگی کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے اور ہمیشہ کھلی رہے گی لیکن ان کے لئے جن کے اندر اسکی کچھ رمق باقی ہو البتہ شرارت پسندوں اور جان بوجھ کر فتنہ برپا کرنے والوں کے لئے اس کے دامن میں کوئی جگہ ـــ اور اس کے دل میں نرمی کا کوئی گوشہ نہیں۔

قرآن کا پیام

(مولانا عبد الماجد دریا بادی)

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ

(بیشک تمہارے لئے ایک نشانی (ان) دو گروہوں میں ہے جو باہم مقابل ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر تھا یہ (کافر) ان کو کھلی آنکھوں اپنے سے کئی گنا

(جو شیطان کی راہ میں لڑ رہا تھا)

اشارہ غزوہ بدر کی طرف ہے جو سنہ ۲ ہجری یا سنہ نبوی میں ہوا تھا۔

لکم۔ مخاطب خصوصی یہاں یہود مدینہ ہیں جنہیں اپنے فنون حرب پر بڑا غرہ تھا۔

آیۃ۔ نشان اللہ کی قدرت و کارسازی اور رسول اللہ صلعم کی صداقت کا۔

یعنی علامۃ و دلالۃ علی صدق ما اقول انکم ستغلبون وعبرۃ (ابن جریر)

فی فئتین۔ یعنی دو گروہوں کے واقعہ میں۔ ایک گروہ مومنین بے سروسامان کا۔ دوسرا گروہ مشرکین باساز و سامان کا۔

فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ۔ یہ گروہ مومنین کا تھا، تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر، تعداد میں کل ۳۱۳ تھے اور وہ بھی بغیر سامان حرب کے۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار پیادوں کے حصہ میں ایک پڑتا تھا گھوڑے لشکر بھر میں کل دو، زرہیں آہنی اتنے آدمیوں میں کل سات۔

واخری کافرۃ۔ یہ لشکر ریاست مکہ کا تھا۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھا، یعنی ۹۵۰ افراد پر مشتمل۔ قریش کے بہترین سواروں کے زیر قیادت اور ہر ضروری سامان سے آراستہ بیشتر سواران میں ... اور اسپ سوار زرہ پوش ۱۰۰ تھے۔

(لیکن یہ کثرت تعداد بھی کچھ کام نہ آئی اور آخر کار ذلت و شکست لشکر مکہ ہی کو نصیب ہوئی)

یرونہم رأی العین۔ یعنی یہ محض وہم و خیال نہ تھا بلکہ واقعتاً مشاہدہ کر رہے تھے۔ دوسری روایت میں رؤیت چشم کے لئے ہی۔

وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ

اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے۔ بیشک اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لئے بڑا سبق ہے لوگوں کے لئے خوشنما کر دی گئی ہے رغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے یا بیٹوں سے یا ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی سے یا نشان پڑے ہوئے گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے

یرونہم مثلیہم۔ کون کس کو کئی گنا دیکھ رہے تھے؟ سوال کے جواب یا ضمیروں کی تعیین میں اہل تفسیر کے درمیان شدید اختلاف ہے لیکن سب سے سہل و بے تکلف ترکیب وہ ہے جو امام ابن جریر طبری نے اختیار کی ہے اور وہی یہاں لے لی گئی ہے۔ علامہ آلوسی نے بھی اسی کو سدی تابعی کے حوالہ سے اختیار کیا ہے۔ (۱) مثلین سے مراد دوچند بھی لی گئی ہے اور سہ چند بھی۔ اور مطلق کثرت تعداد بھی بغیر کسی عدد خاص کے تعین کے۔

زعم الفراء ان معنی یرونہم مثلیہم ثلاثۃ امثالہم (بحر) المراد بالمثلین مطلق الکثرۃ لا خصوص المثلین

(چنانچہ اس موقع پر اس کی مشیت نصرت مومنین سے متعلق ہو گئی اور کافروں کے کام نہ ان کی تیاریاں آسکیں نہ ان کی کثرت تعداد ہی)

من یشاء۔ اس جز نے یہ صاف کر دیا، کہ اس تائید کی تعیین اس عالم ابتلاء میں مصالح تکوینی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ یہ لازمی نہیں، کہ ہر حال میں اور ہر موقع پر تائید و نصرت اہل حق ہی کی ہو۔

یعنی بڑا سبق ہدایت کا ان لوگوں کے لئے ہو جو بصیرت سے کام بھی لیتے رہتے ہیں۔

عبرۃ۔ تنوین عظمت کے لئے ہے۔ یعنی ہدایت و بصیرت کا بہت بڑا سبق۔

اور انہی سب کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کر کے معصیت کا سبب بن جاتی ہیں۔

للناس۔ الناس سے یہاں مراد مکلف افراد ہیں اس لئے مجنون اور بچے خود بخود اس فہرست سے نکل گئے

الناس ہم المکلفون (المنار)

حب الشہوات۔ شہوات یہاں مشتہیات کے معنی میں ہے یعنی مرغوب و دلپسند چیزیں عربی زبان میں یہ استعارہ متعلق و اتصال کی بنا پر عام ہی۔

ان مرغوبات کے نام صرف مثال اور نمونے کے طور پر دے دیئے گئے ہیں۔ شوق و رغبت کی چیزوں کا حصر مراد نہیں۔

الخیل المسومۃ۔ یعنی نشان زدہ گھوڑدوڑ کی گھوڑے، جو بڑی قیمتی اور قابل قدر چیز سمجھے جاتے تھے۔

خیل۔ اسم جمع ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ اس کا واحد فرس ہے اور اصلاً اس کا مفہوم جامع ہے سواری اور سوار دونوں کا۔

زین للناس۔ اس سے واضح ہو گیا کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت و کشش بطور امر طبعی کے ہے! اور بذات خود معصیت نہیں۔ انسان مکلف ان کے شوق کے ازالہ کا نہیں۔ انہیں صرف عقل سلیم و احکام شریعت کے ماتحت رکھنا چاہیے۔

من النساء۔ عورتوں کا ذکر شاید اس لئے سب پر مقدم رکھا گیا ہو کہ یہی لذت ساری مادی لذتوں کی سردار ہے۔

القناطیر۔ قنطار کی جمع ہے۔ مفسرین نے اس کی کچھ مقداریں اور تعدادیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق عام ہے۔

(سو اس حقیقت کو سمجھ کر ان کی محبت جائز حقوق کے اندر محدود رکھنی چاہیے۔)

متاع کہتے ہی اس چیز کو ہیں جس سے کسی حیثیت سے نفع کچھ مدت کے لئے حاصل کیا جائے۔

متاع الحیوۃ الدنیا۔ مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں البتہ دنیوی برتنے میں مفید و معین یقیناً ہیں۔ سو اس کی قدر اسی حد تک کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ یہ مقاصد حیات بن جائیں، دنیا خود ہی فانی ہے اور اس کے یہ سارے ساز و سامان بھی فانی۔

ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ

یہ (سب) دنیوی زندگی کے سامان ہیں اور حسن انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اصلاح معاشرہ

(از مولانا عبد الرؤف رحمانی جھنڈانگری)

معاشرے کی پاکیزگی یا اس کی سدھار کے لئے لازم ہے کہ ہم ہر اس اصول اور ضابطہ کو اپنی زندگی میں لاگو کریں جس سے ہماری سوسائٹی نیکیوں کی طرف پروان چڑھ سکے۔ چند انسانی جانوں کے اجتماع سے ایک خاندان اور چند خاندانوں کے اجتماع سے ایک شہر پیدا ہوتا ہی اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مختلف رشتوں میں جڑے ہوتے ہیں ضروری ہے کہ ان میں ہر ایک کی سدھار ہمہ وقت خیال رکھا جائے چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

(البقرہ) یعنی (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے ہر ماں باپ کو اولاد کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا ہے تاکہ ان میں خدا شناسی پیدا ہو۔ اور عذاب جہنم سے بچنے کی فکر و اہتمام پیدا ہو۔ یہ ضرورت سب سے بڑی ضروری ہے۔

اگر والدین نے لڑکوں اور لڑکیوں کو دینی تعلیم و اسلامی تہذیب سے بیگانہ رکھا ہوگا تو بروز حشر اس پر سخت عذاب و سخت مواخذہ ہوگا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر باپ سے اس کے بیٹے کے متعلق سوال ہوگا کہ ماذا علمتہ وماذا ادبتہ، (تم نے اس کو کون کون سی تعلیم دلائی تھی اور کونسی ادب و تہذیب کی تلقین کی تھی)

اگر باپ نے بچے کو صحیح تعلیم اور پاکیزہ تربیت سے بیگانہ رکھا ہوگا تو قادر مطلق ایسے ماں باپ سے مواخذہ کرے گا۔

سب سے پہلے اولاد کو رب کا نام، رب کا کلام، رب کا پیام پڑھانا چاہیے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس نے اپنے بچہ کو قرآن کی تعلیم دلائی اس کو بروز حشر نورانی تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک سورج کی روشنی کو مات کر دے گی

لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن و دین کے مسائل اپنے ملکی زبان میں پڑھا دینی چاہیے تاکہ ان کی دینی معلومات خوب پختہ ہو جائے اور اسلامی مبادیات اور عام معلومات سے خوب متعارف ہولیں۔ لیکن آج اس طرف توجہ کم ہے صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس (ربستی) کے ایک اجلاس میں الہ آباد کے ایک پروفیسر نے دوران تقریر بتایا کہ مسلمان بچوں سے ایک امتحان کے موقع پر میں نے سوال کیا کہ چار آسمانی کتابوں کے نام لکھو لیکن ہمیں کوئی بچہ بھی صحیح جواب نہ دے سکا۔ ایک بچے نے حضرت جبرئیل اور عزرائیل کا نام لکھا۔ میرا دوسرا سوال تھا نکیرین کون ہیں۔؟

اس سوال کا جواب بھی اکثر بچوں نے نہیں دیا۔ البتہ ایک لڑکے نے لکھا کہ نکیرین سے میری مراد آدم و محمد صلعم ہیں۔

یہ ہے اس بے پروائی کا انجام جس کی ذمہ داری والدین کے سر ہے۔ صحیح تعلیم اور صحیح تربیت دینا ان کے فرائض میں داخل ہے۔

اسی طرح مولانا منظور احمد نعمانی نے بتایا کہ ایک بار میں نے کالج کے چند بچوں سے کلمہ توحید پوچھا تو مجھے کوئی بھی لڑکا کلمہ توحید نہ سنا سکا پھر بعض بچوں سے میں نے کلمہ شہادت پوچھی لیکن ایک لڑکا بھی ایسا نہ مل سکا جو مجھے کلمہ شہادت پڑھ کے بتا دیتا۔ وہ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ اصطلاحات کیا ہیں اور کلمہ کلام کیا ہے؟

ماں باپ کے یہاں اگر دینی ماحول ہو دینی باتوں کا چرچہ رہتا ہو تو بھی بچہ سنبھل سکتا ہے۔ جب دینی ماحول دینی تربیت بھی انہیں میسر نہ ہو تو مسلمان بچوں کا بھی حسرت ناک حشر ہوگا۔

غلط تعلیم، غلط ماحول، غلط تہذیب کی وجہ سے بچے دین سے بیگانہ ہو رہے ہیں قرآن پاک ماں باپ کو ذمہ دار بتاتا ہے کہ تم بھی جہنم کی آگ سے بچو اور اپنے بال بچوں کو بھی بچاؤ۔

اگر اولاد غیر اسلامی تہذیب و تعلیم کی دلدادہ ہے اور ماں باپ اس پر خاموش ہیں تو ان سے سخت بازپرس ہوگی۔ ریڈیو بجانے گانا باجا سننے اور سنیما وغیرہ لہو و لعب میں شریک ہونے سے اگر ماں باپ نے بچہ کو منع نہیں کیا تو دن قیامت کے ایسے والدین سے سخت احتساب ہوگا۔

آج کل تصویروں اور دوستوں کے فوٹو رکھنے کا رواج عام ہے ماں باپ پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کو اس فوٹو بازی سے منع کریں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس کے گھر میں جانداروں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ اس میں خدا کے فرشتے نہیں آتے۔

لطیفہ: ایک جگہ میں نے اسے واعظ میں بیان کیا تو ایک صاحب بڑے خوش ہوئے کہ جب فوٹو و تصویر فرشتوں کو آنے سے روکتی ہے تو اچھا ہوا کہ اب جان نکالنے والے فرشتے سے نجات مل گئی۔ میں نے کہا آپ نے غلط سوچا اور غلط سمجھا۔ فرشتہ رحمت تو تصویروں والے گھر میں یقیناً نہیں آویں گے لیکن فرشتہ عذاب تو ضرور آئے گا۔ جب تم نے فسق و فجور گھر میں جمع کیا اور فاسقانہ طرز عمل اختیار کیا تو فرشتہ عذاب تو مسلط ہی ہوں گے۔

نہایت ضروری ہے کہ ماں باپ سنیماؤں میں ناچنے والی تھرکنے والی اور مٹکنے والی عورتوں یا مردوں کی عریاں تصویریں گھروں میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں۔ ورنہ آپ کی لڑکیوں کو بھی وہی روگ لگ جائے گا۔ ویسے ہی چست و عریاں لباس وہی فراک پوشاک پہننے کی خواہش ہوگی۔ ویسے ہی ماحول ناچنے اور گانے کا ولولہ پیدا ہوگا اور ایک دن وہ آپ سے فرار ہو کر فلمی دنیا میں جا داخل ہوں گی۔ اور اخبارات میں اعلان ہوگا کہ فلاں خان بہادر کی لڑکی فلمی ستارہ بن گئیں کسی نے سچ کہا ہے۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جب بچی سیانی اور بالغہ ہو جائے تو لباس پر پابندی عائد کر دیں اور اس کو پردہ میں رکھیں، اگر ضرورت سے اسے باہر نکلنا ہو تو برقع و نقاب لگا کر باہر نکلے لیکن برقع بھڑکیلا نہ رکھیں۔ چمک دار اور قیمتی برقعوں میں ملبوس عورتوں کے متعلق لوگ غلط گمان کرتے ہیں۔

ضروری ہے کہ برقع سادہ ہو کچھ ڈھیلا ڈھالا ہو تاکہ کوئی شخص جسمانی ساخت کا اندازہ نہ کر سکے۔ یہ بھی ہدایت کر دیں کہ بیچ سڑک سے ہرگز نہ نکلیں۔ خوشبو اور زیوروں کی جھنکار واضح نہ ہو۔

اسی طرح نوجوان اولاد کے لباس اور فیشن کی نگرانی کرتے رہیں نہ انگریزی کٹ بال ہو، نہ پیشانی پر بلیبی ہو، نہ ٹخنے سے نیچے تہبند اور پائجامہ ہو۔ نہ ایسا سوٹ و پتلون ہو کہ اس میں رکوع و سجود، قعدہ، و جلسہ مشکل ہو، ایسے لباس سے ممانعت اور سدباب ضروری ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں یہ عام حکم تھا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں پیشانی پر بلیبی رکھے ہوئے آئے تو اس کے بال جامع مسجد کے صدر گیٹ پر کاٹ دیے جائیں، چنانچہ سپاہی

حجام اسی کام کے لئے مقرر تھے (طبقات ابن سعد ج ۵)
اب اگر آج بدقسمتی سے ہمارے یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے تو ہر ماں باپ کو اپنے بچوں کی خبرگیری اور دینی تربیت خود کرنی چاہئے تاکہ وہ غلط راستوں پر نہ پڑنے پائیں اور دین سے بیگانہ نہ ہونے پائیں۔

بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت بھی دینی چاہئے تاکہ وہ دیندار اور دین پسند ہوں اور خدا کی نافرمانی سے بچیں اور جہنم کی آگ سے محفوظ رہیں۔ ماں باپ کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کے لئے اچھا ماحول فراہم کریں۔ اور ان کی صحیح اور پاکیزہ تربیت کرتے رہیں۔

بایزید بسطامیؒ کا واقعہ: بایزید بسطامیؒ کی والدہ محترمہ اپنے بیٹے بایزید بسطامیؒ کو ہمیشہ یہ تعلیم دیتی تھیں کہ بیٹا میں روٹی کہاں سے دے سکتی ہوں! نماز پڑھو سجدہ کرو، اور دعا کرو کہ خدا ہمیں روزی دے توخدا روٹی دے گا جب وہ سجدے میں دعا مانگ کر نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تو ان کی والدہ روٹی حاضر کر دیتیں اور فرماتیں دیکھو بیٹا خدا نے روزی دیا ہے۔

مشہور واقعہ ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ نے اپنے بیٹے کی صحیح تربیت فرمائی تھیں۔ تعلیم کے لئے بغداد جاتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ آپ کے پاس چالیس اشرفی تھی، جب قافلہ ڈاکوؤں کے نرغے میں آگیا تو ایک ڈاکو نے آپ سے بھی پوچھا کہ میاں صاحبزادے تمہارے پاس بھی کچھ ہے تو آپ نے صاف صاف فرمایا کہ چالیس اشرفی ہیں۔ ڈاکو نے کم سن بچے کے اس جواب کو غلط سمجھا۔ آخر سردار نے تلاشی لی۔ تو چالیس اشرفی واقعی نکلی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ اگر تم نہ بتلاتے تو ہم تمہارے پاس اتنی بڑی رقم کا خیال بھی نہ کرتے، تو آپ نے کہا میری والدہ نے نصیحت کی تھی کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ تو میں اپنی ماں کے حکم کو کس طرح ٹالتا۔ جنھوں نے بچپن سے میری پرورش کی ہے۔

ڈاکوؤں کے سردار کے لئے یہ بات تازیانۂ عبرت بن گئی کہ یہ کم سن بچہ اپنی ماں کی بات کو نہیں ٹالتا ہے۔ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا ہے اور ایک میں ہوں کہ خالقِ کائنات، مالکِ عرش و فرش کے احکام کی سرتابی کر رہا ہوں۔ آہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔؟

وقتِ سعید آچکا تھا ڈاکوؤں کا سردار تائب ہوگیا۔ سب ڈاکوؤں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام قافلے کا سارا اسباب واپس کر دیا گیا۔

دیکھئے! ایک بچہ کو ماں کی صحیح تربیت ملی تو اس کی برکت سے پیشہ ور ڈاکوؤں کا پورا قافلہ سیدھے راہ پر لگ گیا۔ اگر آج کے والدین بھی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں تو خود بھی سنبھل جائیں اور اہل و عیال کو بھی نجات ہو جائے

اسی طرح اس آیت کریمہ یا ایّھا الّذین قوا انفسکم الخ میں بھی اہل و عیال سے بھی اس بات کا بھی مطالبہ ہے کہ زندگی کے وہ تمام معاملات جس کی برائی تمہارے لئے اور تمہاری آل و اولاد کے لئے پورے معاشرے کے لئے رسواکن انجام کا باعث ہو اس سے خود بھی احتیاط رکھو اور اپنی اہل و عیال۔ آل اولاد کو بھی اس سے بچاؤ، ورنہ جہنم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

مثلاً حقوق اللہ۔ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) عبادات کا خیال ہمیں ہر وقت رہے۔ معاملات میں بھی صفائی ہو۔ صداقت ہو۔ وعدہ کی وفائی ہو۔ اور امانت کی ادائیگی ہو۔ کسی کی حق تلفی نہ ہو دوسرے قوموں کی تہذیب و تمدن کی نقالی نہ ہو، رسم و رواج شرعی حدود میں انتہائی مہذب اور پاکیزہ ہوں۔ عادات میں بلندی ہو، طرزِ گفتگو شائستہ ہو، فضول خرچی نہ ہو، یہ وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جن کی خلاف ورزی پر سخت مواخذہ ہوگا۔ اسی کو اپنانے میں نجات ہے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو یقین جانئے کہ انجام انتہائی رسواکن ہوگا۔ اس لئے یہ پہلے انتباہ کیا گیا ہے کہ ایمان والے خود بھی اور اپنی اولاد کو بھی جہنم کے عذاب سے بچا دیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ انھیں اس کا ایندھن بننا ہوگا۔

آج ہمارے معاشرے میں نہ معلوم کتنی برائیاں پھیلی ہوئی ہیں، معاملات میں صفائی نہیں معاہدہ کا خیال نہیں۔ لغویات نشہ بازی اور شراب نوشی قمار بازی وغیرہ بکثرت ہو رہی ہیں۔ تاش شطرنج جیسے حرام و لغو کام میں لوگ منہمک رہتے ہیں سٹہ بازی، ریس، لاٹری، چوربازاری، اسمگلنگ وغیرہ مجرمات میں مسلمان اپنے انجام سے بے خبر ہوکر بے تحاشہ حصہ لیتے ہیں۔ دولت کا بیجا صرف و ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔ شادی بیاہ کی رسم و رواج بالکل ہندوانی ہیں، ساتھ ہی ساتھ شادی بیاہ میں بیحد اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔ دعوتی کارڈوں اور لفافوں پر سیکڑوں اور ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں شادی کی تقریب میں وہی دھوم دھام کرتے ہیں کہ دسیوں قسم کے کھانے تیار کراتے ہیں۔ روشنی، آتش بازی وغیرہ کی نمائشی کاموں میں بے پناہ دولت اڑائی جاتی ہے۔

مسلمانوں میں سینما بینی عام ہے، مسلمان اپنی بدحالی اور اقتصادی زبوں حالی کا رونا روتے ہیں لیکن سخت حیرت ہوکر مسلمان اقلیت میں ہوتے ہوئے سنیما

میں کس طرح اکثریت بن جاتے ہیں اور خود یہ کہ خود تو دیکھتے ہیں اپنی عورتوں، لڑکیوں اور بچوں کو بھی سینماؤں میں لے جاتے ہیں ان کو اسی غلط شوق کی چاٹ لگاتے ہیں، مسلمانوں میں مزدور پیشہ اور درمیانی طبقہ اپنی کمائی کو بیدردی کے ساتھ جوئے بازی نشہ بازی اور دوسری خرافات میں جھونکتا ہے۔ مگر جب انہیں مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ ہر مہینہ فلاں نیک کام کے لئے دو دو پیسہ چندہ دے دیا کریں تو مفلس بن جاتے ہیں اور بے روزگاری اور بدحالی پر ماتم سرائی شروع کر دیتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کی تمام باتیں معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر ماں باپ خود سنبھل جائیں تو پورا معاشرہ سنبھل جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بار بار اسی سلسلہ میں ہدایات دی ہیں کہیں ارشاد ہے۔ اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولاً یعنی وعدہ پورا کرو ورنہ وعدہ کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔"

کہیں حکم ہے لا تبذر ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین یعنی فضول خرچی نہ کرو فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔ تو کہیں حکم ہے انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ یعنی شراب نوشی اور قمار بازی وغیرہ ناپاک چیزوں سے بچو، جوا، سٹہ ریس۔ لاٹری۔ وغیرہ اسی حکم میں داخل ہیں۔

کہیں حکم ہے لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلاً۔ یعنی زناکاری و بدکاری کے قریب بھی نہ بھٹکو بے شک وہ برا راستہ ہے۔ سینما بینی اور ننگا کلب وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں۔

کہیں حکم ہے قولوا قولاً سدیداً۔ یعنی طرزِ گفتگو میں صداقت و متانت اختیار کرو۔

الغرض اصلاحِ معاشرہ اور تہذیبِ اخلاق کے متعلق احکام سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے جس پر تاکید کے ساتھ عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ ان چیزوں پر اگر عمل نہ کیا گیا تو معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ برائیاں پھیلیں گی اور نسلاً بعد نسل ہر نئی پود اس خرابی میں مبتلا ہوگی اور ظاہر ہے کہ غلط کام آج تک اچھا نہیں ہوا ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ برائیوں کے بدلے ہم پر عذاب ہوگا اور ہمیں جہنم کا ایندھن بننا ہوگا۔ کیوں کہ اولاد عموماً اپنی والدین ہی کے نقش قدم پر چلتی ہے ایک شاعر نے لکھا ہے ؎

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا
فلا تلم الاولاد فیھا علی الرقص

یعنی جب باپ ڈھولک بجاتا ہو تو اولاد کا ناچنا گانا کوئی عیب شمار نہ ہوگا۔ بچہ جو کچھ گا گھر سے سیکھے گا۔

گھر کا ماحول اگر برا ہے تو اولاد بھی برائیوں کی عادی ہوگی اسلئے انتہائی ضرورت ہے کہ ہم خود بھی ان برائیوں سے بچتے رہیں اور اپنے بچوں پر بھی کڑی

رفیق الدین ہاشمی

روٹی کے نام پر

یہ ان دنوں کی بات ہے جب وسط ایشیا کے مسلمان ایک عرصہ تک زارِ روس سے نبرد آزما رہے ۱۹۱۷ء میں سوشلسٹ انقلاب برپا ہوتے ہی روس میں خانہ جنگی چھڑ گئی تھی ابھی تک سوشلسٹوں کا اقتدار مستحکم نہیں ہوا تھا سوشلسٹ فوجیں زار کی حامی فوجوں سے لڑ رہی تھیں۔ انھوں نے وسط ایشیا کے مسلمانوں کی اعانت حاصل کرنے کے لئے لینن کے دستخطوں سے ایک اعلان جاری کیا۔ اس میں کہا گیا "روس کے مسلمانوں اور سب لوگو۔ جن کی مسجدیں اور عبادت گاہیں تباہ کر دی گئی ہیں...... آج سے تمہارا دین و ایمان تمہاری روایات، تمہارے قومی اور ثقافتی اداروں کی آزادی اور حرمت کا اعلان کیا جاتا ہے...... سوویٹ انقلاب تمہاری اور سوویٹ یونین کے تمام اقوام کی حفاظت اور تکریم کرے گا۔ سوویٹ یونین تم سے صرف تعاون چاہتی ہے "مسلمان سوشلسٹوں کے دامِ فریب میں آگئے۔ ان کی ہمدردیاں بالشویکوں کے ساتھ ہو گئیں مگر جب سوشلسٹوں کے پاؤں مضبوطی سے جم گئے تو انھوں نے اپنے وعدوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلمانوں کی بیخ کنی اور ان کی ریاستوں کے خاتمہ کے لئے ایک منظم منصوبہ پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ اس کے لئے تین طریقے اختیار کئے گئے۔

۱:۔ مسلمانوں کی وحدت ملی کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ان کے علاقوں کو لسانی، قبائلی اور نسلی بنیادوں پر تقسیم کر دیا گیا ان میں جاہلانہ عصبیتیں ابھارنے کی مذموم کوشش کی گئی۔

۲:۔ مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں یورپی روسیوں کو لاکھوں کی تعداد میں آباد کیا گیا۔

۳:۔ مقامی آبادی کے بڑے بڑے مختلف گروہوں کو الزام لگا کر سائبیریا اور دور دراز خطوں میں جلاوطن کر دیا گیا۔

اس طرح مسلمان علاقوں پر تسلط جمانے اور ان کے اتحاد و وحدت کو ختم کرنے کے بعد ان کے خلاف تہذیبی جنگ چھڑ گئی۔ مسلمانوں کے اوقاف پر قبضہ کر لیا گیا۔ دینی مدارس بند کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کے ہاں عربی رسم الخط رائج تھا۔ سوشلسٹوں نے انھیں ان کے ماضی اور عالمی اسلامی برادری سے کاٹ دینے کے لئے ایک دوررس اقدام یہ کیا کہ ان کے رسم الخط کو بدل ڈالا۔ اس چیز نے مسلمانوں کے زوال میں اہم حصہ لیا۔

پھر مسلمانوں کے انفرادی عقائد کو لگاڑنے، مذہبی فرائض کی اہمیت کو کم کرنے اور اخلاق اقدار کے خاتمہ کے لئے سوشلسٹوں نے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے الحادی پروپیگنڈے کے لئے سرخ چائے خانے ملک کے طول و عرض میں جابجا کھول دیئے گئے جن کے در و دیوار پر مذہب اور ملا کے خلاف پروپیگنڈا اشتہار چسپاں رہتے ——— چونکہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو آسانی سے گمراہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے بعض مقامات پر یہ طریقہ کار کچھ زیادہ کارآمد ثابت نہ ہو سکا۔

چنانچہ سوشلسٹوں نے اپنے طریقہ کار میں کچھ ترمیم کر لی، اب وہ براہ راست الحاد کا پروپیگنڈہ کرنے یا مذہبی فرائض کی تضحیک کرنے کے بجائے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر عوام کے سامنے آئے۔ وہ مسجدوں میں جاتے، نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، ساتھ ہی وہ مسلمانوں کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر آپس میں لڑوا دیتے۔

سوشلسٹ جوں جوں اپنی سازشوں اور فریب کاریوں میں کامیاب ہوتے گئے، مسلمانوں کے خلاف ان کے ظالمانہ اقدامات میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۳۶ء روس کی سیر کو گیا تھا .... اس کا بیان ہے

"کوکند کے دیہات میں دس کسانوں کو اجتماعی فارم سے صرف اس جرم کی پاداش میں الگ کر دیا گیا کہ وہ مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ لئے گئے تھے۔ خواجہ کے گاؤں کا اجتماعی فارم صرف اس لئے منتشر کر دیا گیا کہ اس کے ارکان مسجد میں جانے پر مصر تھے۔"

روس میں جس شخص کو اجتماعی فارم سے الگ کر دیا جائے اس کے لئے تمام وسائل بند ہو جاتے ہیں اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا ہے۔

یہی مصنف اس زمانہ کے حالات میں لکھتا ہے:۔
"مسجدیں کلب بن گئیں اور ان پر سرخ جھنڈے نصب کر دیئے گئے۔ یوں یہ قصہ ختم ہونے کو آیا اور ہر گاؤں میں ایک سرخ چائے خانہ بن گیا"

رفتہ رفتہ سوشلسٹوں کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ وہ علماء اور مزاحمت کرنے والے دینی طبقے کو انسانی باڑوں (CAMPS CONCENTRATION) میں بھیجنے لگے اور بڑی تعداد میں ان لوگوں سے مختلف صنعتوں میں جبری مزدوری (———) لی جانے لگی۔ جن مذہبی اسکولوں کو اب تک استثناءً کھلا چھوڑ رکھا تھا، انھیں بند کر دیا گیا۔ جمعہ کی چھٹی ختم کر دی گئی۔ سوشلسٹوں نے اپنی ایجنٹ عورتوں کو مسلمان گھرانوں میں بھیجنا شروع کیا تاکہ مسلمان عورتوں کو وہ طلا کر پردے کو ختم کرا سکیں۔ ان کے لئے کلچرل پروگراموں میں اضافہ کیا گیا۔

۸ر مارچ ۱۹۲۷ء کو برسرِعام برقعہ کا ڈھیر لگا کر نذرِ آتش کر دیا گیا جو عورتیں پردے پر اڑی رہیں ان میں سے اکثر کو زبردستی اور بقیہ کو ترغیب و تحریص کے ذریعہ برقعے سے آزاد کروا لیا گیا۔ اس جابرانہ اور متشددانہ طریقِ کار نے وسط ایشیا کے مسلمانوں کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کو تیز رفتاری سے بدل ڈالا۔ اور جب مسلمان عورتوں کو بے نقاب کر دیا گیا تو عصمت و عفت کے تمام پردے اٹھ گئے اشتراکیت افسر جب کبھی کسی بے پردہ عورت کو دیکھتے تو تر نوالہ سمجھ کر اسے مکان کے اندر گھیر کر لے جاتے اور اس کی عصمت دری کر ڈالتے " سوویٹ ایشیا صفحہ ۱۴۹

اس زمانہ میں بالشویک افسر بیویوں کی خرید و فروخت بھی کرتے تھے۔ عزت و آبرو اور عصمت کا تصور ختم ہو گیا۔ تو بالشویکوں نے مختلف مقامات پر کسانوں کے ایسے کمیون بنائے جو آزاد محبت کے اصول کی سو فیصدی پابندی کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں سوشلسٹ اقتدار کے نشہ میں چور مست ہو چکے تھے، مشہور سوشلسٹ جوشا گنٹر کی روایت ہے کہ۔

"ایک سوشلسٹ کسانوں سے مخاطب ہے:۔
• خدا کے فضل سے" ہم نے تمہارے مویشی تو چھین لئے ہیں۔ اب ہم تمہاری بیویوں اور بیٹیوں کو اپنی مشترکہ ملکیت بنائیں گے اور ان سب کو اپنے ساتھ سلائیں گے اور ایک مکمل کمیون کا وجود عمل میں لائیں گے"

(ریچ سمرقند ۱۹۲)

سوشلسٹوں کی اسلام دشمنی کے نتیجہ میں وسط ایشیا کے اسلامی مراکز کا خاتمہ ہو گیا۔ روسی انقلاب سے پہلے وولگا، ترکستان اور دوسرے مسلم علاقوں میں ایک ہزار سے زائد مدرسے تھے، صرف بخارا میں ۱۰۹ دینی مدرسے کام کر رہے تھے لیکن اب بخارا کا صرف ایک مدرسہ قائم رہ گیا ہے۔ انقلاب سے پہلے پوری روس میں ۲۶ ہزار مسجدیں تھیں، سوویٹ وار نیوز کی اطلاع کے مطابق ۱۹۴۲ء میں سوویٹ روس میں صرف ۱۲-۱۳ مسجدیں باقی رہ گئی ہیں۔

بخارا، علوم دینی کا وہ معروف مرکز ہے جس نے امام بخاری جیسے مایۂ ناز علماء کو جنم دیا۔ اسی تاریخی شہر

(باقی صفحہ ۲۰ پر دیکھئے)

مسیحی مشن کے حربے

پاکستان میں عیسائیت کی رفتارِ ترقی

پاکستان میں مسیحیت نے جس تیز رفتاری سے ترقی کی ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ١٩٥١ء میں مغربی پاکستان کے اندر مجموعی طور پر کل آبادی:- ٨٧،٠١٠،٦٠ ارب ٣ کروڑ تھی ١٩٦١ء میں مغربی پاکستان کے اندر مجموعی طور پر کل آبادی ٣٩،٤٣٩،٤٤،٩٤ ر ٣ کروڑ ہو گئی۔ اس کے مقابل مسیحی آبادی ١٩٥١ء میں مغربی پاکستان کے اندر چار لاکھ بتیس ہزار سات سو چھ تھی مسیحی آبادی ١٩٦١ء میں مغربی پاکستان کے اندر پانچ لاکھ تراسی ہزار آٹھ سو چوراسی ہو گئی۔ گویا دس سال کے عرصہ میں مغربی پاکستان کے اندر مجموعی آبادی ٢٧ فیصدی بڑھی۔ اس کے مقابل مسیحی آبادی میں ٣٥ فیصد کا اضافہ ہوا۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ عام آبادی کے مقابل مسیحی تعداد میں آٹھ فی صدی اضافہ ہوا۔

مسیحیت میں اس قدر اضافہ نسل تناسل سے نہیں ہوا بلکہ اسلام سے بے خبر نام نہاد مسلمانوں کے ارتداد اور پاکستان کی پسماندہ اقوام کے گمراہ کرنے کے ذریعہ ہوا چنانچہ کیلیفورنیا کے رومن کیتھولک مشن کے ترجمان رسالہ براسپیکٹر نے اکتوبر ١٩٥٦ء کے شمارہ میں لکھا ہے:-

"پاکستان میں چرچ کو اپنے تبلیغی مشن میں عظیم ترین کامیابی حاصل ہوئی اور صرف گذشتہ ایک سال میں چھ ہزار مسلمانوں کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنایا گیا ہے"!

مسیحی ارتداد کا یہ سیلاب جس تیزی سے بڑھ رہا ہے اس کے پیش نظر اندیشہ ہے کہ جس خطۂ پاک کو اسلامیانِ ہند نے ہزاروں عزیز جانوں کی شہادت اور لاکھوں خاندانوں کی جلا وطنی کی قیمت دے کر حاصل کیا تھا مسیحیت کے اندرونی اور بیرونی مشنوں کے ناپاک ارادے کہیں اسے دوسرا فلسطین نہ بنا دیں ——

مالی امداد کا پہلا حربہ:-

مالی امداد مسیحی مشن کا پہلا اور بڑا کامیاب حربہ ہے معاشی طور پر پاکستان کے پست حال عوام مہنگائی اور بے کاری سے اکثر پریشان رہتے ہیں —— عیسائی مشنری ان کی پریشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں حالاں کہ "رحماء بینہم" کے مصداق یہ فریضہ مسلم عوام و خواص کا تھا۔

مسیحی مشن مختلف طریقوں سے مالی امداد کی صورتیں نکالتے ہیں۔ جب کہ ان سے ان کا اصل مقصد مسیحیت کی اشاعت اور اسلام سے ارتداد ہوتا ہے۔ مثلاً:-

(الف) —— سادہ لوح، اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ عوام کو خشک دودھ، گھی کے ڈبوں اور پرانے کوٹوں کا لالچ دے کر اسلام سے مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گرجوں میں اور مشن کمپاؤنڈوں میں اتوار کے دن، کرسمس کے دنوں میں دوسرے تہواروں اور دیگر مناسب موقعوں پر یہ چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ برقعہ پوش پردہ نشین خواتین بھی ان حقیر چیزوں کے لئے گرجا گھروں میں پہروں کھڑی رہتی ہیں۔ ان چیزوں کی تقسیم کے وقت عیسائی لوگ اپنا مقصد برابر پیش نظر رکھتے ہیں۔ ان کے گھروں میں پہونچ کر بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ سادہ لوح غریب لوگ ان کے گذشتہ احسانات اور آئندہ کی توقعات کے پیش نظر ان کی باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور ایک نہ ایک دن یہ بھی مکڑی کی دعوت پر جال میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

(ب) لوگوں سے ملازمتوں کے وعدے کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بے کاری اور بے روزگاری کے شکاروں کو عیسائیت کے پھندے میں پھانس لیتے ہیں۔ کیونکہ حکومت کے اہل کار اور افسرانِ اعلیٰ زیادہ تر مشنری اسکولوں کے پڑھے ہوئے ہیں لہٰذا جس دفتر کے متعلق کام ہوتا ہے مشن والے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے ان مسلمان حکام سے اپنا کام نکال لیتے ہیں اور اس طرح ضرورتمندوں کو رام کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

(ج) نئے ہونے والے عیسائی کو پانچ روپیہ فی بچہ کے حساب سے مشن سے وظیفہ ملتا ہے۔ جس کے جتنے بچے ہوں گے اتنے ہی زیادہ وظیفے کا مستحق ہوتا ہے۔

(د) عیسائی بچوں کو مفت کتابوں، فیسوں کے عام معافی اور ہر بچہ کو پندرہ روپے ماہوار اسکول میں اور پچیس روپیہ ماہوار کالج میں وظیفہ ملتا ہے۔

(ھ) نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونی ممالک میں اپنے خرچ پر بھیجنے کی پیش کش کی جاتی ہے جس شخص پر اتنا احسان کیا جائے اور اتنا مال خرچ کیا جائے وہ کبھی ان کی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا اور وہ آسانی سے ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ بیرونی تہذیب کا رنگ دو آتشہ بنا دیتا ہے۔ عام طور پر ایسے نوجوانوں کی شادی عیسائی خاندان میں ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایک نئے عیسائی خاندان کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

(ھ) لوگوں کی بے کاری سے فائدہ اٹھا کر مسیحی مشن یہاں تک بھی کرتے ہیں کہ جو مسلمان نوجوان مڈل یا میٹرک کر کے بے کار رہتے ہیں انھیں مسیحی سالویشن ٹریننگ کالج میں داخلے کی پیش کش کی جاتی ہے اس کے دوران وظیفہ دیا جاتا ہے۔ وہاں انھیں بائیبل پڑھائی جاتی ہے اور عیسائیت کی تبلیغ کی تربیت دی جاتی ہے۔ کورس پورا ہونے پر ان کی معقول تنخواہیں لگا دی جاتی ہیں اور انھیں دیہاتی قصبات میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بھیجا جاتا ہے یہ کس قدر ستم ہے کہ خود مسلمان سے اسلام دشمنی کا کام لیا جا رہا ہے۔

(ز) یہ مالی امدادیں اعلیٰ پیمانے پر کرسچن ریلیف کمیٹیوں کی معرفت عوام تک پہنچائی جاتی ہیں اور اس طرح مسیحی مشن ایک طرف تو لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ اور دوسری طرف حکومت کو بھی زیر بار احسان کر لیتے ہیں۔ مزید براں اس طرح انھیں حکومت کا تعاون بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عیسائیت کی تبلیغ کے لئے میدان بھی ہموار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہارٹ فورڈ (امریکہ) کے مشہور مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" نے ١٩٥٨ء کے شمارہ میں لکھا ہے:-

"ایک حقیقت بالکل واضح اور نمایاں ہے کہ مسلمانوں کا امن و سکون اس طرح غارت ہو چکا ہے کہ جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ آج عیسائیوں کی طرف سے دوستی کا اظہار مسلم افراد پہلے کی بہ نسبت زیادہ خوشی سے قبول کر رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ چکے ہیں۔ وہ افراتفری کا شکار ہیں اور اپنی ضرورت اور احتیاج کو بھانپنے لگے ہیں۔ مسیحی اعانت مواسات اور ہدایات کے لئے اس سے عظیم تر موقع پہلے کبھی میسر نہیں آیا۔ لاہور میں مغربی پاکستان کے لئے کرسچن ریلیف کمیٹی قائم ہو چکی ہے۔ حکومت پاکستان "امدادی مہم" کے دوران چرچ ورلڈ سروس کا بڑا ہاتھ بٹا رہی ہے۔ ہمارے نمائندے پاکستان سے برابر اطلاعات پہنچا رہے ہیں کہ سرکاری حکام کی طرف سے انہیں دل کھول کر تعاون اور سہولتیں حاصل ہو رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ:-

یہ سرخ صلیبیں سوغاتیں
یہ امدادیں یہ خیراتیں
یہ سودا دین و ایماں کا
"یہ ایڈ نہیں بیعانہ" ہے

دوسرا حربہ مشن اسکول کالج:-

جو قوم دنیا میں علم و عرفان کا پیغام لے کر آگے بڑھی تھی اور جس ملت نے یورپ کے ظلمت کدوں کو علم کی شمع سے

(بقیہ ص ١٥ پر دیکھئے)

تالمود

(از حکیم محمد کامل بحر العلومی ......)

آدم و حوّا کی پیدائش:-

حاخام "فابیوس" نے جولیوں میں پیدا ہوا تھا یہودیوں کی عید نوروز ١٨٢٣ء میں عوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "مذہب یہودی دنیا کے سب مذہبوں سے زیادہ افضل و برتر ہے کیونکہ اس میں کوئی راز نہیں ہے اور اس کی تمام تعلیمات معقول ہیں برخلاف دین مسیحی کے جس کی بنیادیں پاگل پن پر قائم ہیں۔" (صہیونی مذہب کی صحیح الدماغی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں جو تالمود سے نقل کئے جاتے ہیں)

تالمود آدم و حوّا کی پیدائش پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے:-

اللہ نے دنیا کے ہر خطہ سے مٹی لے کر اس کا ڈھیلا بنایا اور اس سے ایسا جسم تیار کیا جس کے دو چہرے تھے۔ پھر اس کو دو حصوں میں منقسم کر دیا جس میں کا ایک حصہ آدم ہو گیا اور دوسرا حوّا۔ آدم بہت لمبا تھا اس کے پاؤں زمین پر رہتے تھے اور سر آسمان میں، اور جب وہ سوتا تھا تو اس کا سر مشرق میں ہوتا تھا اور پاؤں مغرب میں۔ اللہ نے آدم کو ایسی طاقت دے رکھی تھی کہ وہ ساری دنیا کو اول سے آخر دیکھ سکتا تھا، لیکن جب آدم سے گناہ سرزد ہوا تو اس کی لمبائی گھٹ کر عام انسانوں کی سی رہ گئی"۔

بادشاہ عوج جس کا نام توراۃ میں مذکور ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ عید فصح کی بے خمیری روٹی جس کو عبرانی زبان میں عجہ کہتے ہیں، پکایا کرتا تھا۔ طوفان نوح میں وہ غرق ہونے سے اس لئے محفوظ رہا کہ سفینۂ نوح کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اس کے گرد و پیش کا پانی ٹھنڈا رہا جب کہ ہر طرف پانی ابل رہا تھا۔ بادشاہ عوج روزانہ دو ہزار بیل کھا جاتا تھا۔ اور اتنے ہی پرندے اور ایک ہزار صاع پانی پی جاتا تھا (ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے)۔

تالمود کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عوج جب فوجی ہیڈ کوارٹر کے قریب پہنچا اور اسے معلوم ہوا کہ یہ لشکر جرار بنی اسرائیل کا ہے جو تین فرسخ زمین پر پھیلا ہوا ہے تو اس نے ایک پہاڑ اکھاڑ لیا جس کا رقبہ تین فرسخ کا تھا اور اس کو اپنے سر پر اٹھا کر لشکر بنی اسرائیل سے مقابلہ کرنے چلا تب اس پر اللہ نے چیونٹیاں بھیج دیں جنھوں نے اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر پہاڑ میں شاہ عوج کے سر تک سوراخ کر دیا تو وہ پہاڑ طوق کی طرح اس کی گردن میں حمائل ہو گیا موسیٰ غنیمت سمجھ کر آگے بڑھے ان کے پاس دس ہاتھ لمبا ڈنڈا تھا اور دس ہاتھ ہوا میں جست کر کے وہ ڈنڈا بادشاہ عوج کے سر پر مارا اور وہ مر گیا۔

تالمود ہی میں ایک دوسری جگہ یہ بھی مرقوم ہے کہ "شاہ عوج آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا"۔

تالمود میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رابی "یوحانان" کو ایک پنڈلی کی ہڈی ملی تو اس کے برابر برابر متواتر تین گھنٹے چلتا رہا لیکن اس کے دوسرے سرے تک نہ پہونچ پایا (آدمی کی اوسط رفتار تین میل فی گھنٹہ ہے) یہ شاہ عوج کی پنڈلی کی ہڈی تھی۔

تالمود ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ کی خوراک ٧٤ آدمیوں کی خوراک کے برابر تھی اور اسی تناسب سے وہ پانی بھی پیتے تھے، ان کی جسمانی طاقت بھی ٧٤ آدمیوں کی طاقت کی مساوی تھی اس کے باوجود وہ شاہ عوج کے سامنے ٹھگنے دکھائی دیتے تھے۔

ایک قصہ یہ بھی تالمود میں درج ہے کہ ایک مرتبہ شاہِ عوج نے اپنی داڑھی اکھاڑ ڈالی تو ابراہیم خلیل اللہ نے اس کا تخت بنا لیا جس پر وہ سویا کرتے تھے۔

یہودیوں اور مسیحیوں کی روحیں:-

تمام مخلوقات کی روحیں پیدائش کے ابتدائی چھ دنوں میں پیدا کر دی گئیں۔ پھر اللہ نے ان کو آسمان کے ایک جنرل اسٹور میں محفوظ کر دیا جب کبھی کوئی عورت حاملہ ہوتی اس وقت اسٹور سے ایک روح نکال کر بچہ میں ڈال دی جاتی ہے۔

اللہ نے یہودیوں کی چھ لاکھ روحیں پیدا کیں۔ تالمود کے قول کے مطابق (حالاں کہ اس وقت دنیا میں یہودیوں کی کل تعداد پونے دو کروڑ ہے) کیوں کہ توراۃ کے ہر فقرہ کی چھ لاکھ تاویلیں ہیں جن میں کی ہر تاویل ایک روح کے ساتھ محفوظ ہے ہر سبت کے دن ہر یہودی کی روح بدل کر اصلی روح کی جگہ اس کے جسم میں نئی روح فٹ کر دی جاتی ہے اور نئی روح اس کی بھوک پیاس کو کھولتی ہے۔

یہودیوں کی روحیں باقی تمام روحوں سے ممتاز ہیں کیوں کہ وہ اللہ کی جزء ہیں جس طرح بیٹا اپنے باپ کا جزء ہوا کرتا ہے لہٰذا اللہ کے یہاں یہودیوں کی روحیں باقی تمام روحوں سے زائد باوقعت ہیں۔ دوسری روحیں شیطانی ہیں۔ اور حیوانات کی روحوں سے مشابہ ہیں۔

تالمود میں بتایا گیا ہے کہ غیر یہودی کا نطفہ دوسرے جانوروں کے نطفے کے مانند ہے۔ آواگون (تناسخ) کے مسئلہ پر تالمود اس طرح روشنی ڈالتی ہے کہ یہودی کی موت کے بعد اس کی روح نکل کر کسی دوسرے جسم میں چلی جاتی ہے مثلاً جب کوئی یہودی مرجاتا ہے تو اس کی روح نکل کر اس کی نسل کے نئے پیدا ہونے والے لڑکے کے جسم میں گھس جاتی ہے۔ قابیل کی تین روحیں تھیں۔ ایک روح تورسؔ کے جسم میں داخل ہو گئی۔ دوسری جترو کے جسم میں اور تیسری اس مصری کے جسم میں جس کو موسیٰ نے قتل کر ڈالا تھا۔

"یافث کی روح شمسون کے جسم میں تارخ کی روح ایوب کے جسم میں حوّا کی روح اسحاق کے جسم میں تمارہ کی روح ہیبر کین صمایل کی روح ہیلی میں اور اشعیا کی روح یسوع میں داخل ہو گئی۔ حاخام بادشاہ (ابار بانیل) نے کہا کہ اشعیا قاتل اور زانی تھا۔

جو یہودی کسی کو قتل کرنے کی بنا پر مرتد سمجھے جاتے ہیں اور دین یہودی سے خارج سمجھے جاتے ہیں ان کی موت کے بعد ان کی روحیں حیوانات یا نباتات میں گھس جاتی ہیں، اس کے بعد وہ جہنم میں چلی جاتی ہیں اور وہاں بارہ مہینے سخت عذاب میں مبتلا رہ کر دوبارہ پیدا ہوتی ہیں اور جمادات میں داخل ہو جاتی ہیں پھر حیوانات میں پھر کفار میں اور آخر کار پاک و صاف ہو کر کسی یہودی کے جسم میں آجاتی ہیں۔

یہ تناسخ اللہ نے ازراہ رحمت یہودیوں کے لئے مقرر کیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ ہر یہودی کو حیات ابدی میں حصہ ملے۔

جنت اور دوزخ:-

جنت پاک روحوں کی جگہ ہے۔ الیاس نے کسی دن ایک حاخام کا جبہ وہاں رکھ دیا جو وہاں کے پھولوں کی خوشبو سے بس گیا، اور یہ خوشبو اس میں قائم رہی جس کے سبب اس کی قیمت ٣٠٠٠ فرانک (ایک فرانسیسی سکہ) ہو گئی۔ جنت میں مومنوں کی خوراک (یہاں مومنوں سے مراد یہودی ہیں مومنین کرام اپنے کو نہ سمجھیں) لکیمن مادہ مچھلی (مچھلیوں کے بادشاہ کی مادہ جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے) کا گوشت ہوگا۔ نیز ان کے دستر خوان پر بہت عظیم تر بیل کا گوشت ہوگا جو سو پہاڑوں پر پیدا ہونے والی گھاس چرتا ہے۔

اسی طرح وہ بڑے پرندے کا گوشت بھی کھائیں گے جو انتہائی لذیذ ہوگا۔ اور موٹی تازی بطخ کا گوشت بھی ان کو ملے گا۔ انھیں پینے کو پرانی کشید کی ہوئی پرانی نبیذ (کھجور کی شراب) ملے گی جو تخلیق آدم کے دوران دوسرے دن کشید کی گئی تھی۔

جنت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہیں جائے گا لیکن جہنم کفار (غیر یہودیوں) کی جگہ ہے جہاں رونا اور چیخنا ان کے مقدر میں ہوگا۔ وہاں اندھیرا اور بدبو اور کیچڑ ہے۔ نیز وہاں اس کے علاوہ چھ ہزار صندوق ہیں چھ ہزار پیپے ایلوے کے ہیں جہنم جنت سے ساٹھ گنا بڑا ہے۔

مسلمان ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے کیوں کہ وہ صرف ہاتھ پیر دھوتے ہیں اسی طرح مسیحی بھی کیوں کہ وہ ختنہ نہیں کراتے۔

مسیح اور یہودی :-

یہودی بہت بے صبری سے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب مسیح ظاہر ہوگا، لیکن یہ مسیح کون ہے؟ تالمود بتاتی ہے کہ جب یہ مسیح آئے گا تو روئے زمین روٹیوں اور اونی کپڑوں سے بھر جائے گی، اور گیہوں کا دانہ بیل کے گردے کے برابر پیدا ہوا کرے گا تب یہودیوں کی سلطنت واپس آجائے گی اور تمام قومیں اس مسیح کی خدمت گاری کریں گی اور اس کے سامنے سرنگوں ہوں گی۔ اس زمانہ میں ہر یہودی کے پاس خدمت گزاری کرنے کے لئے دو ہزار آٹھ سو غلام ہوا کریں گے۔

لیکن یہ مسیح اس وقت آئے گا جب شریروں (غیر یہودیوں) کی حکومتیں ختم ہو چکی ہوں گی۔ ان حکومتوں کو ختم کرنے کے لئے یہودیوں کی خفیہ انجمنیں کام کر رہی ہیں جنھوں نے ہر ملک میں خفیہ سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ اس موضوع پر کسی دوسرے مضمون میں تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی لہٰذا ہر یہودی پر واجب ہے کہ وہ اپنی پوری جد و جہد اس بات پر مرکوز رکھے کہ دنیا کی کوئی قوم بھی زمین کی مالک نہ بننے پائے تاکہ صرف یہودیوں کی سلطنت قائم ہو سکے۔ یہ ضروری ہے کہ یہودی جہاں بھی جائیں وہاں اپنی ملکیت قائم کریں ورنہ ان کی حیثیت صفر رہ جائے گی اور وہ قیدی بنے رہیں گے۔ جب کبھی غیر یہودی وطن الیہود (فلسطین) پر قابض ہو جائیں تو یہودیوں کو نوحہ و بکا اور آہ و فغاں کرنا چاہئے اور چیخ کر رونا چاہئے جیسا کہ وہ اب تک دیوار گریہ کے سامنے کرتے رہتے ہیں۔ یہ دیوار یروشلم میں ہیکل سلیمانی کے بچے کھچے آثار میں سے ہے۔

بنی اسرائیل پر اسوقت تک ذلت و مسکنت قائم رہے گی جب تک کہ اغیار کی حکومت ختم نہ ہو جائے اس کو ختم کرنے کے لئے خفیہ سازشوں اور تباہ کن نظریوں سے کام لیا جا رہا ہے ان نظریوں کو دیدہ زیب الفاظ سے مرصع کر کے عوام کو دھوکہ میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی قوم سے کہا جائے کہ تم اپنے اندر انتشار پھیلا کر آمریت اور سامراج کا شکار ہو جاؤ تو وہ ہرگز تیار نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس پلان کو جمہوریت کا نام دے دیا جائے تو وہ آسانی سے بچھا لیا جائے گا۔ اس قسم کی تحریکیں چلانے کے لئے یہودیوں کی خفیہ انجمنیں فری میسن وغیرہ اور ان کے ایجنٹ سرگرم عمل ہیں) قبل اس کے کہ تمام قوموں پر یہودیوں کی حکومت قائم ہو، ضروری ہے کہ جنگ کے شعلے بھڑکتے رہیں بالخصوص مشرق وسطیٰ کی جنگ اسی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے لڑی جا رہی ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ اس کو عالمگیر جنگ بنا دیا جائے اور دنیا کی دو تہائی آبادی ختم ہو جائے (اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے مختلف النوع ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں جنگ جمہوریت کے نام پر آمریت

ہولناک فرقہ وارانہ فسادات، خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر نسل کشی۔ آئے دن کے ریلوے حادثات جو کسی طرح بھی اتفاقیہ نہیں کہے جا سکتے، الغرض ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا جا رہا ہے جس سے نسل انسانی ختم ہو، اور صرف ایک تہائی آبادی باقی رہے) یہودی فتح کے بعد مفتوح قوموں سے جو ہتھیار حاصل کریں گے ان کو سات سال تک چلاتے رہیں گے۔

اس زمانہ میں بنی اسرائیل کے دشمنوں کے جو دانت پیدا ہوں گے وہ ان کے منہ سے باہر نکلے رہیں گے اور ان کی لمبائی بائیس ہاتھ ہوگی۔ اس دن کے انتظار میں یہودی تمام قوموں سے لڑائی جاری رکھیں گے اور یقیناً اصلی مسیح آکر ان کو فتح یاب کریگا یہ مسیح ہر قوم کے تحفے قبول کرے گا لیکن عیسائیوں کے تحفوں کو ٹھکرا دے گا۔

اس دن قوم یہود انتہائی مالدار ہوگی کیوں کہ وہ دنیا بھر کے مال پر قبضہ کر چکی ہوگی۔ (اس پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے یہودیوں نے بہت لمبا جال بچھایا ہے۔ سب سے پہلے جمہوری ممالک میں یہودی ایجنٹ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ملک پسماندہ ہے اس کے بعد ترقیاتی منصوبے بنتے ہیں، ان منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے غیر ممالک سے قرض لینے کے لئے اکسایا جاتا ہے پسماندہ ملک کو وہ ممالک بڑی فراخدلی سے قرض دیتے ہیں جن کے بینک یہودیوں کے قبضہ میں ہیں"۔ دنیا کے اٹھاسی فیصدی اور امریکہ کے سو فیصدی بینک یہودیوں کے ہیں۔

اس طرح جمہوریتوں کا قرض کا بار بڑھتا چلا جاتا ہے، پھر اصل قرض کو چھوڑ کر سود کی وصولیابی شروع کر دی جاتی ہے وہ سونے کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس طرح ملکوں کا سونا کھنچکر یہودی بینکوں میں پہونچ جاتا ہے اور ملک رفتہ رفتہ کھوکھلا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے سرکاری دفاتر کا سونا سود کے نام پر یہودی بینکوں میں منتقل ہو جاتا ہے، جب سرکاری ذخائر کا سونا ختم ہو چکتا ہے تو گولڈ کنٹرول ایکٹ کی قسم کے قوانین نافذ کر کے پبلک کا سونا کھینچا جاتا ہے اور جب وہاں کچھ بھی باقی نہیں بچتا تو مقامی بینکوں کو نیشنلائز کرنے کا ڈھونگ رچا کر ان کے سکیورٹی کے سونے پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔ کئی ممالک کا سونا اسی طرح سود کے نام پر یہودی بینکوں میں منتقل ہو چکا ہے جہاں سے ساٹھ فیصدی منافع کی شکل میں تل ابیب کے بینک کو بھیج دیا جاتا ہے۔ تل ابیب کا بینک یہودیوں کا سب سے بڑا مالی مخزن ہے۔ فریب خوردہ ممالک کے سادہ لوح عوام کو سکہ کے نام پر کچھ کاغذ کے چیتھڑے اور کچھ المونیم کے ٹکڑے تھما دیئے جاتے ہیں۔ ایسے ملکوں کے کروڑپتی اور ارب پتی سرمایہ داروں کی دولت بھی صرف کاغذ کی ہوتی ہے خواہ بینک کے رجسٹر کی شکل میں ہو یا کاغذی نوٹوں کی شکل میں۔

یہ داستان تو تھی سود کی، رہی اصل تو اس کی ادائیگی کا کوئی سوال نہیں۔ بعض بڑے ممالک نے اتنا زیادہ قرض لے لیا ہے کہ وہاں کا ہر باشندہ ایک ہزار پچاس روپے کا مقروض ہے اور جو بچہ پیدا ہوتا ہے مقروض ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح دنیا کے کئی ممالک مالی اعتبار سے بالکل کھوکھلے ہو گئے ہیں)

تالمود بتاتی ہے کہ ان خزانوں سے بڑے بڑے گھر بھر جائیں گے جن کے قفلوں کی کنجیاں تین سو گدھوں پر اٹھائی جا سکیں گی۔ اس وقت تمام گروہ در گروہ دین یہودی اختیار کر لیں گے اور وہ قبول کر لئے جائیں گے بجز مسیحیوں کے کیوں کہ وہ شیطان کی نسل سے ہیں۔

یہودیوں کی یہ امیدیں اسرائیل کے وجود سے پوری ہو جائیں گی اور یہ قوم مسیح کے آنے پر تمام قوموں کی حکمراں بن جائے گی۔

مذکورہ بالا اوہام نے اصل حقائق پر پردہ ڈال دیا ہے جس طرح ان کے غلط تخیلات نے مسیح کی اصل حقیقت کو چھپا رکھا ہے۔ مسیح آئے اور انھوں نے دعوت حق دی جس کے سبب سے یہودیوں نے ان کو ایذائیں پہنچائیں اور اب تک ان کو گالیاں دیا کرتے ہیں کہ وہ ایک بت تھا۔ اس قسم کی باتیں وہ کھلم کھلا مسیحی ممالک میں کہتے پھرتے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہودیوں کو مسیحی ممالک میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتے پھریں اور یہ کہتے پھریں کہ وہ ایک بت تھا جو زنا سے پیدا ہوا تھا۔ (استغفر اللہ)

یہودی ایک ممتاز قوم ہیں :-

تالمود میں لکھا ہے کہ اسرائیلی اللہ کے یہاں فرشتوں سے افضل ہیں اگر کوئی امی (غیر یہودی) کسی یہودی کو مارے تو گویا اس نے ناموس الٰہی پر ضرب لگائی۔ ہر یہودی کا اعتقاد ہے جیسا کہ ان کے حاخاموں نے ان کو بتایا ہے کہ یہودی اسی طرح اللہ کا جزء ہے جس طرح بیٹا باپ کا جزء ہوا کرتا ہے اسی لئے تالمود میں مرقوم ہے کہ جب کوئی امی کسی اسرائیلی کو مارے تو اس کو سزائے موت دی جائے (غالباً گرٹا پو کے افسر اعلیٰ اور ہٹلر کے دست راست ایخمین کو یہودی اسی لئے اسرائیل میں اغوا کر لے گئے اور وہاں مقدمہ چلا کر اس کو سزائے موت دی) یہ بھی مرقوم ہے کہ اگر یہودی فنا ہو جائیں تو زمین سے برکت اٹھ جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بارش اور سورج ختم ہو جائیں گے جس کی وجہ سے باقی مخلوقات زندہ نہ رہ سکے گی۔

انسان اور حیوان میں وہی فرق ہے جو یہودی اور باقی قوموں میں ہے۔

یروشلمی تالمود میں مرقوم ہے کہ جس نطفہ سے غیر یہودی پیدا ہوئے وہ گھوڑے کا نطفہ ہے۔

باقی آئندہ

ذرا یہ بھی سنئے......

محمد کلیم اللہ خاں

دن کے دو بجے تھے ۔۔۔۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا کلرک بھی اونگھ رہا تھا۔

خاموش ہال میں بیروں کے پیروں کی چاپ سنائی دیتی تھی یا پھر چمچوں اور پیالیوں کی کھنکھناہٹ۔ ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھے ایک باپ بیٹے کافی پی رہے تھے۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کسی متمول خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لڑکا کسی انگلش اسکول کا طالب علم نظر آرہا تھا۔ ان کے دائیں طرف میز پر دو نیتا شکل نہایت بیٹھے ہوئے تھے۔ کھدر کے نہایت صاف و شفاف کپڑے زیب تن کئے ہوئے۔ سر پر اجلی گاندھی ٹوپیاں۔ یہ دونوں بار بار نظر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھ لیتے تھے جیسے کسی کے منتظر ہوں۔ اچانک کیفے کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کا دراز قد کھدر پوش شخص اندر داخل ہوا اسکو دیکھ کر یہ دونوں پکار اٹھے۔

"ہیلو کامریڈ"۔ "کم ہیر"۔

اس شخص نے ان کی طرف مڑتے ہوئے گردن کو خم کر کے "اوکیس" کہا اور لپک کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔ ان تینوں کی آواز سن کر تھوڑی دیر کے لئے تمام لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور پھر اپنے اپنے خیالات میں کھو گئے۔

برابر کی میز پر بیٹھے ہوئے لڑکے نے آہستہ سے اپنے باپ سے پوچھا۔

"ڈیڈی! یہ کون لوگ ہیں۔ آپ انھیں جانتے ہیں۔؟؟"

"ہاں بیٹا۔! شہر میں ان کو کون نہیں جانتا۔؟؟! یہ دائیں طرف جو نیتا بیٹھے ہیں وہ "ہندی پرچار سمتی" کے جنرل سکریٹری ہیں۔ گذشتہ سال شہر میں انھوں نے ہی "انگریزی ہٹاؤ آندولن" چلایا تھا جس کے نتیجے میں شہر کے تمام دکانداروں کو اپنے انگریزی کے بورڈ راتوں رات بدلنے پڑے تھے اور موٹر نشین بھی اپنے بورڈ ہندی میں لگانے پر مجبور ہو گئے تھے ۔۔۔ بیچ میں جو نیتا پدھارے ہوئے ہیں وہ گاندھی شانتی سمتی کے ایک جوشیلے کارکن ہیں۔ اور ان کے بائیں طرف وہ مہاشے ہیں جو "ہندی بانے" کے نعرے کے جنم داتا ہیں"

"مگر ڈیڈی، یہ لوگ گفتگو کس زبان میں کر رہے ہیں۔؟!" لڑکے نے حیرت سے پوچھا۔

لڑکے نے آہستہ سے اپنے باپ سے کہا۔

"ڈیڈی۔ یہ لوگ بھی رشوت دیتے ہیں۔!!!"

"ہاں بیٹا! آج کی دنیا میں اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔" باپ نے

"یہ ان کا پیدائشی حق ہے، جو زبان چاہیں بولیں"۔

اتنی دیر میں آنے والے مہاشے دھوتی سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھ چکے تھے اور کچھ دم بھی لے چکے تھے۔ دائیں طرف والے نیتا ان سے بولے ۔۔۔ "یار آج بڑا ویٹ کرایا ۔۔۔ کہاں بزی تھے۔؟"

"کیا بتاؤں ۔۔۔ یہ ریلوے والے کمبخت بڑے کرپٹ ہیں ۔۔۔ مجھے آج رات کو دہلی میل میں ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں ایک برتھ چاہیے تھی کہنے لگے فل ہے۔ جب پانچ کا نوٹ ہاتھ میں تھما دیا، تو سب کام منٹوں میں کر دیا ۔۔۔ بس اسی میں لیٹ ہو گیا"۔

لاپرواہی سے جواب دیا۔

"دلی کس کام سے جا رہے ہو۔ کامریڈ ۔۔۔؟" دوسرے نیتا نے پوچھا۔

"دلی ۔۔۔؟ اوہ! وہ ہیومن رائٹس ۔۔۔ ہونے والا ہے نا؟!"

گاندھی شانتی سمتی کے کارکن نے جواب دیا ۔۔۔ "اس میں مجھے انوائٹ کیا گیا ہے ۔۔۔ فرسٹ کلاس فیئر بھی بھیجا ہے"۔

"یار ایک کام ضرور کرنا۔ باہر سے آنے والے اپنے ساتھ بہت سا فارن مال لاتے ہیں اور سستے داموں یہاں بیچتے ہیں۔ میرے لئے یاد کر کے ایک ٹرانسسٹر خرید لینا۔"

"ویری گڈ آئیڈیا"۔ ہندی پرچار سمتی کے سکریٹری بولے۔ "میرے لئے جاپانیز سگار لانا نہ بھولنا۔ بڑے ٹیسٹی ہوتے ہیں۔۔ نیپال والے اپنے ساتھ لاتے ہیں"۔

بادۂ کہن

مولانا حکیم فخر الدین خیالیؒ

خود گم رہے کسی کی کبھی جستجو نہ ہو
مجھ سے بھی خلق میں کوئی بے آبرو نہ ہو

نظروں سے میں گرا صفت اشک بے اثر
بیٹھوں میں کیا جو اس سے جبیں پہ تو نہ ہو

پہلو سے جو اٹھا تو اٹھا چین دل سے بھی
یا رب دل بشر میں محبت کی خو نہ ہو

دیکھا جسے جہان میں طرحدار مرمٹا
ہوں شعر جبکہ صورت غم روبرو نہ ہو

دل بھر رہا ہے جوشش گریہ سے کیا کہوں
شرط وفا ہے مرنے پہ بھی گو کبو نہ ہو

برباد مشت خاک میری کر نہ اے صبا
میرا سا بھی وصال نصیب عدو نہ ہو

رویا میں غم سے روز جدائی کے رات بھر
دل اے خدا وہ جس میں کوئی آرزو نہ ہو

پروانہ وار کیوں نہ جلے سوز دل سے فخر
محفل میں ہوں جو غیر تو اے شمع رو نہ ہو

شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کے وصال پر تعزیت
ندوۃ العلماء کے اساتذہ کا جلسہ

دار العلوم ندوۃ العلماء میں استادوں کا ایک جلسہ تعزیت کا اظہار کرنے کے لئے ہوا۔ درجہ حفظ کے طلباء نے قرآن خوانی کی۔

شاہ محمد یعقوب مجددیؒ کا انتقال ۸۴ سال کی عمر میں ۵ ربیع الاول کو بھوپال میں ہوا تھا جہاں وہ "نھنے میاں" کے نام سے مشہور تھے اور اپنی آبائی خانقاہ میں تعلیم و تربیت میں مصروف تھے وہ مجدد الف ثانی سے براہ راست نسبی اور نسبتی تعلق رکھتے تھے ان کے خاندان میں مسلسل مسندِ ارشاد آراستہ رہی ان کے والد شاہ ابو محمد مجددیؒ گذشتہ صدی کے ایک بڑے عالی نسبت بزرگ تھے۔

شاہ محمد صاحب نے اپنے خاندانی اور نسبتی سلسلہ کی تمام روایات زندہ رکھیں ملک بھر میں ان کے عارفانہ کلام اور ملفوظات کی شہرت تھی جو قدیم صوفی بزرگوں کے انداز میں وہ روزانہ مجلس اپنی خانقاہ میں آراستہ کرتے تھے۔ ان میں اخلاقیات اور تصوف کے نظری اور عملی مسائل کی شرح ہوتی تھی ان کے بیشمار عقیدت مند اور مرید سارے ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے گذشتہ دو سال میں خانقاہ میں تقریباً بیس بار حاضری دی تھی اور ان ملفوظات کو قلمبند کر لیا تھا۔ جو ماہنامہ الفرقان اور تعمیر حیات میں شائع ہوئے۔ اب ان کو مرتب کر کے شائع کیا جانے والا ہے۔ سال گذشتہ میں مولانا عبد الماجدؒ نے بھی بھوپال کا سفر کر کے خانقاہ میں حاضری دی تھی۔

دار العلوم ندوۃ العلماء میں طلبہ کی شورش

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، کا وضاحتی بیان

دار العلوم میں ششماہی امتحانات موسم گرما کی تعطیلات کے قبل ہمیشہ لئے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ امسال بھی حسب معمول امتحانات کی تاریخوں اور ان کے نظام کے متعلق ضروری ترتیب طے کی گئی اور ۲۱ر مئی ۱۹۷۰ء سے ۲۰ر مئی ۱۹۷۰ء تک کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا۔ طلبہ نے اعلان کو پُرسکون جذبہ سے سنا اور تیاری میں مصروف ہوئے اور بظاہر کوئی خاص بات نہ تھی کہ اچانک ۱۴ر مئی کو ایک گمنام مراسلہ مہتمم دار العلوم کے نام موصول ہوا کہ گرمی سخت ہو رہی ہے بعض شہروں میں لُو سے موتیں بھی ہو رہی ہیں اس لئے امتحانات کو مؤخر کر کے تعطیلات کے بعد رکھا جائے۔ اس مراسلہ میں مزید یہ بھی مطالبہ تھا کہ تاخیر امتحانات کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے فوراً ۱۵ر مئی سے تعطیل گرما بھی شروع کر دی جائے۔

میں نے اس مراسلہ کو اس لئے اہمیت نہیں دی کہ اس قسم کی گمنام تجاویز عموماً بدشوق طلبہ کی طرف سے معمولاً پیش ہوتی رہتی ہیں جو کبھی بھی قابل اعتنا نہیں ہوتیں ۱۵ر مئی کو میں دار العلوم کی ضرورتوں سے کانپور چلا گیا ۱۶ر مئی کو صبح تعلیمی اوقات میں طلبہ نے درجات میں جا جا کر تعلیم بند کرنے اور چھٹی حاصل کرنے کا اعلان کیا اور تختیں اور تیاریاں الٹ کر اپنے عزم تعطیل کا اظہار کیا۔ اور جگہ جگہ یہ لکھ دیا کہ امتحان نہیں ہوگا۔ چھٹی ہوگی نیز ایک میمورنڈم شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی (جو میری عدم موجودگی میں انچارج تھے) کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا موصوف نے طلبہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور یہ فرمایا کہ ہم مہتمم صاحب کے پاس آدمی بھیج کر ان کو مطلع کرتے ہیں لیکن طلبہ نے ان کی بات کو اہمیت نہ دی اور اپنا مجوزہ کا اقدام جاری رکھتے ہوئے آپس میں بند مشورہ کیا، جس میں چھوٹی بورڈنگ کے ممتاز طلبہ کو شریک رکھا۔ اور پھر آپس میں چندہ کر کے ایک وفد کانپور روانہ کیا — میں نے ان کی پوری گفتگو سن کر اور ان کو سمجھایا کہ اگر تعطیل کے بعد امتحان رکھا گیا تو تمہارا تعلیمی نقصان ہوگا۔ اس لئے کہ تم لوگ یکم جولائی کو حسب معمول دار العلوم میں مشکل سے پہونچ گے اور بحالہ ۵ار جولائی سے امتحان شروع ہو سکے گا پھر دس یوم بھی اگر امتحان کا سلسلہ جاری رہا تو پورا تعلیمی مہینہ اسی میں گزر جائے گا اور تعلیم کا نقصان تقریباً ایک ماہ کا ہوگا۔ اس تعلیمی خسارہ کی تلافی کی کیا صورت ہو سکے گی اور اگر یہ صورت میں قبول بھی کر لوں تو بھی ناظم صاحب ندوۃ العلماء سے استصواب کے بعد ہی قابل عمل ہو سکتی ہو طلبہ نے جواب دیا کہ ہم یکم جولائی کو ضرور دار العلوم پہونچ جائیں گے۔ لیکن میں ان کے اس وعدے سے مطمئن نہ ہو سکا۔ بہر حال شب میں طلبہ کا یہ وفد اور میں کانپور سے روانہ ہو کر لکھنؤ پہونچ گئے۔ صبح کو پھر طلبہ مجھ سے ایک جم غفیر کے ساتھ ملے اور گفتگو کی، اس گفتگو کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ التوا کا یہ مطالبہ چند افراد نے مصلحت اور رائے سے ہے اور کچھ خاص قابل اعتنا نہیں لیکن ان چند افراد نے اس مطالبہ کو عمومی تحریک کی شکل دیدی اور وہ اس کو منوانے کے لئے تہذیب و متانت کے دائرہ سے نکل کر جبر و زور، بدتہذیبی و گستاخی کے دائرہ میں داخل ہوئے۔

۱۷ر مئی کو جب طلبہ نے محسوس کیا کہ التوا کا مطالبہ ذمہ داران غالباً منظور نہ کریں گے تو اشتعال اور غصہ کی حالت میں انھوں نے اپنے خفیہ جلسے شروع کر دیئے اور ۱۸ر مئی کو مزید مطالبات پر مشتمل ایک میمورنڈم لے کر میرے پاس پہونچ گئے۔ جس میں بعض انتظامی تبدیلیوں کی بھی خواہش کی گئی تھی۔ اور معزز حضرات اساتذہ کو معطون کرنے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ اس گفتگو کے دوران میں نے طلبہ کی ناشائستگی، بے تمیزی اور اشتعال کو پھر محسوس کیا اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ ان تمام غیر سنجیدہ مطالبات کے منوانے کے سلسلے میں طلبہ کا یہ جبر و زور بغیر کسی شہ اور پشت پناہی کے ممکن نہیں، چنانچہ میں نے قائم مقام ناظم ندوۃ العلماء جناب سید مصباح الدین نقوی سے (جو شہر ہی میں مقیم رہتے ہیں) مشورہ کیا۔ اور مزید استصواب کے لئے حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے پاس رائے بریلی پہونچا۔ اس عرصہ میں طلبہ نے اپنے خفیہ جلسے جاری رکھے جس میں اپنے مطالبات منوانے کے لئے زیادہ سے زیادہ مستعدی، تیاری کا مظاہرہ کرتے رہے اور اپنی تجاویز کو باہمی قسما قسمی، حلفاً حلفی سے مؤکد کرتے رہے۔

۱۹ر جولائی کو سہ پہر کے وقت میں جب رائے بریلی سے واپس ہوا تو حالات کا جائزہ لینے کے بعد بہ ہدایت جناب ناظم صاحب ندوۃ العلماء مزید خطرات سے ادارہ کو بچانے کی غرض سے مجبوراً دار العلوم کو غیر معینہ مدت تک کے لئے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان پر طلبہ نے پھر ایک میٹنگ کی۔ اس میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اگر ہمارے مطالبات نامنظور ہوئے تو دفاتر کے تالے توڑ دیئے جائیں گے، کتب خانہ اور دار العلوم کی دوسری املاک کو نقصان پہونچایا جائے گا اور توڑ پھوڑ کی وہ ساری کارروائیاں کی جائیں گی جو کچھ عرصہ قبل دار العلوم دیوبند میں شورش پسند طلبہ کے ہاتھوں پیش آچکی ہیں، پونے چار بجے سہ پہر کو اس میٹنگ کے بعد طلبہ نے میری قیام گاہ پر گھیراؤ کیا اور اسٹاف کے بعض حضرات کو جب اس گھیراؤ کی اطلاع ملی تو انھوں نے مجھ تک پہونچنے کی کوشش کی لیکن طلبہ نے ان حضرات اساتذہ کو مجھ تک پہونچنے نہ دیا، زینہ کے دروازے بند کر لئے۔ دو تین حضرات جو ابتدا ہی میں پہونچ گئے تھے، ان کو ہٹانے پر مجھ سے اصرار کیا۔ بعض حضرات اساتذہ نے طلبہ سے افہام و تفہیم کرنا چاہا تو کچھ سننے سے انکار کر دیا۔ بدتہذیبی سے پیش آئے اور ان کو وہاں سے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

اس گھیراؤ کے دوران طلبہ نے مجھ سے مطالبہ شروع کیا کہ ہمارے سارے مطالبات چار گھنٹہ کے اندر اندر منظور کئے جائیں۔ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کو چار گھنٹے کے اندر اندر رائے بریلی سے طلب کیا جائے اور وہ یہاں ۱۱ بجے شب تک پہونچ جائیں، غیر معینہ مدت تک دار العلوم بند کرنے کے بجائے دوسرا اعلان اس امر کا کیا جائے کہ ۲۰ر مئی سے ۳۰ر جون تک دار العلوم میں تعطیل رہے گی، نیز یہ کہ اس جبر و زور اور اس گھیراؤ کے جرم میں کسی طالب علم کا اخراج نہ کیا جائے اور ایک تحریر مہر شدہ و دستخطی ہم کو دے دی جائے۔ ان مطالبات کی منظوری کی تحریر حاصل کرنے کے لئے طلبہ نے میرے یہاں رکھے ہوئے گھڑے اور صراحیاں توڑ دیں، ڈنڈے اور چھڑیاں پٹختے رہے، شور و غل کرتے رہے، ان حالات میں میں نے ان کو تحریر لکھ دی اور آخری طور پر مطالبات کے سلسلہ میں حضرت ناظم صاحب سے ملاقات اور ان کو لکھنؤ لانے کے حیلہ سے مغرب کے قریب اس گھیراؤ سے نکل کر شہر پہونچا اور موجودہ مقامی ممبران انتظامیہ کے سامنے سارے معاملات رکھ کر مشورہ چاہا۔ ابھی یہ مشورہ جاری ہی تھا کہ طلبہ نے اپنی ایک مخصوص میٹنگ میں طے کر کے مارپیٹ اور توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایسے طلبہ جو امتحان دینے کے موافق تھے اور ان شرارتوں اور ہنگامہ آرائیوں کے خلاف تھے ان کو مارا پیٹا، ایک طالب علم کو تو بُری طرح زخمی کیا[لہ]۔ اس حادثہ کی اطلاع مغرم صاحب دار العلوم مجھ کو اور ممبران انتظامیہ کو ٹیلیفون کے ذریعہ کر رہے تھے کہ ان کا بھی گھیراؤ کیا گیا۔ کمرہ کا دروازہ توڑنے کی کوشش کی، ان کو مارنے پر آمادہ ہوئے لیکن دوسرے طلبہ بیچ میں آجانے کی وجہ سے شرارت پسندوں کا یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ پھر بھی ٹیلی فون کے دونوں کنکشن تباہ کر دیئے تاکہ منتظمین کے لئے شہر سے رابطہ قائم رکھنے کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ نگران اعلیٰ جناب مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب ندوی (عمر ۷۰ سال) کو سڑک پر گھیر لیا لیکن موصوف نے حلفاً اپنی صفائی پیش کی جس کی وجہ سے موصوف بچ گئے۔

اس تازہ صورت حال نے اسٹاف کے مقیم حضرات کو سراسیمہ کر دیا، مارپیٹ توڑ پھوڑ کے ان تازہ ترین حالات کی اطلاع جب ممبران انتظامیہ کو دی گئی تو سب حضرات بیحد مایوس ہوئے اور میں نے مجبوراً پی اے سی کی مدد طلب کی۔ بعض ہمدرد حضرات کو ساتھ لے کر میں سے دار العلوم ساڑھے دس بجے شب میں پہونچا، مغرم صاحب

لہ یہ زخمی کئے جانے والے طالب علم طلبہ کی قائم کردہ بزم شبلی کے سکریٹری ہیں۔

طلبہ کو اسپتال روانہ کیا اور اعلان کرایا کہ صبح ۱۱ بجے تک طلبہ ہوسٹل خالی کر دیں۔

دوسرے دن صبح سے ان شر پسندوں نے اپنے وطن جانے والے طلبہ کو روکنا شروع کیا، ان کو مستعار لی ہوئی کتابیں کتب خانہ میں داخل کرنے سے روکنا اور دھمکانا شروع کیا۔ دفتر اہتمام نے ان کی ان شرارتوں کے باوجود افہام و تفہیم کا دروازہ کھلا رکھا تاکہ ہوسٹل خالی کرانے کے لئے پی اے سی کی مدد نہ لینا پڑے۔ لیکن طلبہ ہر رعایت کو مسترد کرتے رہے۔ حالانکہ طلبہ کے یہ دونوں مطالبات کہ ان کو ریلوے کنسیشن فارم دیئے جائیں اور کرایہ بھی دیا جائے، پورے کر دیئے گئے۔

بہر حال منتظمین اس فکر میں رہے کہ پی اے سی سے طلبہ کا تصادم نہ ہو اور یہ طلبہ اس فکر میں رہے کہ ان کو پی اے سی ہی کے ذریعہ نکالا جائے۔ تاکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں اپنی مظلومیت کا اعلان کر کے ادارہ اور اس کے منتظمین کو بدنام کر سکیں۔ نیز بے خبر حضرات کی ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک پوسٹر بعنوان "ہندوستان کے مسلمانوں سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی دردمندانہ اپیل"۔ ۲۱ر مئی کو شائع کرایا جس کو حدود دار العلوم میں تقسیم و چسپاں کرنے کے ساتھ ساتھ شہر میں تقسیم اور نمایاں مقامات پر چسپاں بھی کیا، اس سلسلہ میں ان کی مہم کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک طالب علم نے ایک پوسٹر اپنے پیٹ پر اور ایک پوسٹر اپنی پیٹھ پر لٹکا کر شہر کی مختلف سڑکوں اور گلیوں کا دورہ کیا۔ تاکہ شہری حضرات اس اعجوبہ کو دیکھ کر متوجہ ہوں اور پوسٹر پڑھ کر ان کے ساتھ ہمدردانہ پیش آئیں۔ اس طرح منتظمین دار العلوم کے خلاف رائے عامہ ہموار ہو۔

اس پوسٹر میں نو مطالبات درج ہیں، یہ مطالبات ایک درخواست کی شکل میں نہایت ڈرامائی اور تحکمانہ انداز میں ۱۸ر مئی کو میرے سامنے پیش کئے جا چکے تھے میں نے صبر و تحمل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے ان کو جواب بھی دیا تھا کہ طلبہ کی تعلیم اور سہولتوں کا جہاں تک تعلق ہے ہم اس کے لئے فکر مند ہیں اور بعض مسائل پر غور بھی کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو بعض تدابیر پہلے سے اختیار کی جا رہی تھیں اس میں نے ان کی طرف اشارہ بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ اس میں کچھ وقت ضرور لگے گا، دوسرے یہ کہ طلبہ کو انتظامی امور سے دوران تعلیم کوئی تعلق نہ ہونا چاہیئے۔ یہ منتظمین کی فکر مندی اور ذمہ داری پر چھوڑنا چاہیئے۔ ان کو صرف اپنے تعلیمی مسائل ہی سے دلچسپی رکھنا چاہیئے۔

لیکن طلبہ نے اس وضاحت کے جواب میں نہایت غیر عاقلانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم سب نے اجتماعی طور پر یہ طے کر لیا ہے کہ آپ کو یہ مطالبے فوراً ماننے ہوں گے ہم کسی وضاحت یا تفصیل سے مطلب نہیں رکھتے۔ ہم صرف مطالبہ منوانا چاہتے ہیں۔ اس سے کم زیادہ نہیں۔

طلبہ کے اس رویہ کے نتیجہ میں، میں نے طلبہ کا پیغام و مطالبہ جناب ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے پاس لے جا کر پہونچا دیا تھا۔ اور طلبہ کے رویہ سے بھی باخبر کیا تھا جس کے جواب میں بالآخر یہی مناسب سمجھا گیا تھا کہ طلبہ جب بات سننے کے لئے بھی آمادہ نہیں معلوم ہوتے تو اس فضا میں یہی مناسب ہے کہ دار العلوم شورش ختم کرنے کے مقصد سے فی الحال بند کر دیا جائے۔ معاملہ پر پُرسکون ماحول میں غور کیا جا سکے، چنانچہ ۱۹ر مئی کو مدرسہ کے بند کئے جانے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ لیکن طلبہ نے بجائے نرمی و سعادت مندی کا رویہ اختیار کرنے کے نفرہ اور شورش کا طریقہ اختیار کیا تھا، اور اولاً میرے پاس ایک مجمع لے کر پہونچ گئے جو گستاخانہ طریقہ سے مجھ سے بات کرتا تھا۔ اور دیر تک مجھے گھیرے رہا۔ پھر میرے پاس سے نکل کر دار العلوم کے احاطہ میں اس بے باکی اور انتشار کی وہ صورت پیدا کی جو دار العلوم جیسے ادارہ کے لئے کسی طرح مناسب اور قابل برداشت نہیں تھی۔ ایک ایسا انتقامی جذبہ اپنایا تھا جس سے خوف کھا کر دار العلوم کے اسٹاف اور عمارتوں کو پی اے سی کی حفاظت میں دیا جانا ضروری ہو گیا تھا بالآخر قائم مقام ناظم نیز متعدد ارکان انتظامیہ کے مشورہ سے ایجنسیاں اور پی اے سی آئی اور اس نے طلبہ کو پُرسکون کیا تھا۔

بہر حال دار العلوم کے ذمہ داروں کو طلبہ کی اس شورش اور مطالبات کے سلسلہ میں ان کی اندھا دھند تحریک سے خاصی فکر و تشویش سے سابقہ پڑا لیکن ان کی طرف سے اس شورش بنھانے کے لئے پُرامن ذرائع ہی اختیار کئے گئے، البتہ آخری مرحلہ میں پولیس کی حمایت حاصل کی گئی جو کہ دار العلوم کے ذمہ داروں، نیز طلبہ و اساتذہ اور خود ادارہ کے لئے افسوسناک بات ضرور تھی لیکن حالات کی وجہ سے ناگزیر ہو گئی تھی کیونکہ طلبہ نے تشدد کی راہ اختیار کرنا شروع کر دی تھی۔ البتہ پولیس نے پُرامن طریقہ بچائے طلبہ کو بنھایا ان کو کوئی تکلیف نہیں پہونچائی اور نہ ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی۔

اب جب کہ طلبہ کی بڑی تعداد اپنے وطنوں کو واپس ہو چکی ہے اور حالات خاصے پُرسکون ہو چکے ہیں دار العلوم کے ذمہ داروں کو اس تکلیف دہ واقعہ کے اسباب و وجوہ پر غور کرنا ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ طلبہ میں سے کون افراد اس مکروہ و رسوا کن واقعہ کے اصل اور نمایاں ذمہ دار ہیں اور کون افراد ان کے معاون اور مددگار، تاکہ دار العلوم کے ذمہ داروں کو اس بات کے صحیح فیصلہ میں آسانی ہو کہ واقعہ کے ذمہ دار اور مجرم طلبہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

اسی طرح دار العلوم کا یہ بھی قصد ہے کہ دار العلوم کے نظم و ضبط نیز تعلیم و نگرانی کے سلسلہ میں جو واقعی کوتاہیاں نظر آئیں وہ اس کی ضروری اصلاح کرے گا۔

یہی دار العلوم ندوۃ العلماء ایک دینی اسلامی ادارہ ہے اس کی عزت تمام مسلمانوں کی عزت ہے۔ دار العلوم کے طلبہ نے بعض مقاصد میں جو صورت حال پیدا کی اور جس کے نتیجہ میں دار العلوم کے ذمہ داروں کو دل پر جبر کر کے جو اقدام کرنا پڑا، اس سے دار العلوم کے قابل احترام مقام کو دھکا پہونچا ہے۔ دل یہ چاہتا ہے کہ جو سکون جبراً پیدا کیا گیا ہے وہ قائم رہے اور دار العلوم اپنے اعلیٰ مقاصد کے لئے اطمینان سے مصروف ہو سکے اس کے لئے آپ کی اور تمام مسلمانوں کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ اگر آپ کے برخوردار یا آپ کا کوئی تعلق والا دار العلوم میں تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس نے حالیہ شورش میں کسی طرح کا حصہ لیا ہے تو آپ اس کو سمجھائیں اور بتائیں کہ محض اپنا مطالبہ نہ قبول کئے جانے پر ایک اسلامی اور قومی ادارہ کے وقار و عزت کو نشانہ نہ بنالینا چاہیئے تھا۔ یہ ایک غیر معقول اور غیر شریفانہ عمل ہے جس کا نقصان نہ صرف قومی رسوائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بلکہ ایسا عمل کرنے والے طلبہ کو بھی نقصان پہونچتا ہے ذمہ داران دار العلوم حالیہ ناپسندیدہ واقعہ کے سلسلہ میں غور و فکر کر کے جو فیصلہ کریں گے اس میں سے جس قدر حصہ آپ کے عزیز کے معاملہ سے متعلق ہوگا ان شاء اللہ مطلع کر دیا جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی صحیح مرضی پر چلائے اور اسی راہ کی توفیق دے۔

محب اللہ ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

(بقیہ روح کے نام پر)

کے بارے میں معروف مصنف جان گنتھر کی روایت ہے کہ ہم بخارا کے نو سو سالہ پرانے دینی مدرسہ میں گئے تو وہاں کے ایک بڈھے سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا۔ بخارا کی کتنی فیصدی آبادی مسجد میں نماز پڑھنے آتی ہے۔ ایک بڈھا کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس سوال کو ٹال گیا کہنے لگا کہ بہت سے لوگ گھر پر نماز پڑھ لیتے ہیں۔

روس کی نووستی پریس ایجنسی نے ایک مجموعہ شائع کیا ہے جس میں ایجنسی کے ایک رپورٹر نے ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ خیوا کی مسجد کا بوڑھا امام ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے اپنے ملحد بیٹے اور بیٹی کو یاد کرتا ہے۔ بیٹی مقامی اسکول میں مذہب کی تاریخ پڑھاتی ہے۔ وہ خود لکھتا ہے کہ باپ کی آواز خیوا کی فضا میں گونجتی ہیں اور مسلمانوں کو خدا کی طرف بلاتی ہے —— یہ رپورٹر اس طرح کے واقعات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"اب زندگی کے دامن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پرانے عقائد کی بقا اور نشو و نما کا جواز مل سکے۔ ہستی مطلق کے بارے میں اب سوچنے کی کسے ضرورت ہے

دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو حکومت کو عوام کے تعاون کی ضرورت تھی چنانچہ مذہب کے معاملہ میں تشدد کی پالیسی کو ترک کر دیا۔ مگر جنگ کے خاتمہ پر ۱۹۴۸ء میں دوبارہ زیادہ تیاری کے ساتھ اس کام کو شروع کر دیا گیا۔ آج کل مسلمانوں کے رسوم و رواج کا مذاق اڑانے والے پوسٹر بھرپور طریقہ سے پھیلائے جا رہے ہیں۔ وسط ایشیا کے مسلمانوں کا تجربہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنا دین و ایمان کھو کر سوائے بھوک اور افلاس کے کچھ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ سوشلسٹوں کی مسلسل اور متواتر لوٹ کھسوٹ کا نشانہ ہے

طلبہ کے مطالبات

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ نے متفقہ طور پر مہتمم دارالعلوم کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے لیکن انھوں نے بلا سوچے سمجھے تمام مطالبات کو رد کر دیا۔ مہتمم دارالعلوم نے طلبہ کو یہ افسوسناک جواب دیا۔ "آپ جو چاہیں سو کریں خواہ ہنگامہ کریں اسٹرائک کریں، توڑیں پھوڑیں یا آگ لگائیں ہم سب کا سامنا کریں گے۔" یہ الفاظ جو انھوں نے کہے ان کے برعکس طلبہ کا احتجاج پُرامن رہا، سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس صدائے احتجاج کے باوجود ناظم اعلیٰ جناب مولانا ابوالحسن علی ندوی رائے بریلی میں مقیم رہے اور ندوہ تشریف نہ لائے ہمیں نہیں معلوم کہ ان کی وہ کون سی "خانقاہی معروفیات" تھیں جنھوں نے اجازت نہیں دی کہ وہ ندوہ تشریف لائیں اور نظامت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں اس کے بعد مسلمانوں کے اہل فکر خود یہ سوچ سکتے ہیں کہ کیا استحقاق نظامت کے یہی انداز ہیں۔

نظامت اعلیٰ کی ذمہ داریوں سے لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ندوہ کی پرامن درسگاہ میں آج پی اے سی پڑی ہوئی ہے۔ حالانکہ طلبہ نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جو دخل اندازی پولیس کا موجب ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر مولانا ابوالحسن علی ندوی "ترک ترک" کی دنیا سے نکل کر ہمارے مسائل سلجھانے خود تشریف لاتے تو یہ صورت حال پیش آتی نہ ندوہ کا دیرینہ وقار یوں خاک میں ملتا۔ اور نہ ندوہ کے لائق ذکر طلبہ احمد کمال صدیقی۔ محمد ہارون جمیل، ابوالکلام جوہر اعظمی، محمد وکیل خاں۔ عبدالحمید جمیل، ہارون رشید سیوانی، محمد عزیز حسنی، اور ضیاء عبداللہ وغیرہ کے ساتھ ناروا برتاؤ کیا جاتا۔

مشائخ کا یہ رویہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے شاگردوں کو خوش اسلوبی سے سمجھائیں اور مسائل کو سلیقہ سے سلجھائیں لیکن انھوں نے طنز و مزاح اور تعریض و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا، وہ ہمیں "علمائے سو" کہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ علمائے سو کس کی گود میں پلے۔

ہمارے مطالبات کا تعلق تمام تر تعمیر و اصلاح سے ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ندوہ کا نظام تعلیم و تربیت نقائص سے پاک ہو اور یہاں پھر وہی دینی معیار قائم کیا جائے جو علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے دور کا خاصہ تھا۔

ہمارے مطالبات حسب ذیل ہیں

۱۔ علامہ شبلی علیہ الرحمۃ جن کے احسانات ندوہ پر بے پایاں ہیں، ان کے خلاف ایک عرصہ سے ندوہ میں جو ذلت آمیز معاندانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہ ندوہ کے تمام طلبہ کے لئے سخت موجب اذیت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ یہ معاندانہ رویہ ختم کیا جائے اور ان کی شخصیت اور فکر کو ہمارے نظام تعلیم و تربیت کی اساس بنایا جائے۔

۲۔ ندوہ کے نظام تعلیم میں جو انگریزی کا نصاب تیار کیا گیا ہے۔ اس کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں۔ دوسرے عربی زبان و ادب جو ہماری درسگاہ کا امتیازی وصف ہے، اس کے لئے عربی انشار کا اچھا انتظام ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کا نظم بھی نہایت ناقص ہے، ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی ادب اور عربی انشار کا معیاری انتظام کیا جائے۔

۳۔ نئے شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر کا انتظام کیا جائے موجودہ شیخ التفسیر مولانا اویس ندوی سے طلبہ مطمئن نہیں

۴۔ بعض اساتذۂ دارالعلوم بغیر مطالعہ کے درجہ میں تشریف لاتے ہیں اور اپنے درس سے طلبہ کو مطمئن نہیں کر پاتے اس طرح طلبہ کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے اور ان کی صلاحیت میں اضافہ نہیں ہو پاتا اس سلسلہ میں مولانا عبدالماجد صاحب ندوی، مولانا رابع صاحب حسنی اور مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی قابل ذکر ہیں۔

۵۔ مولوی ہارون رشید صاحب کو بعض شرمناک افعال کی بنا پر ندوہ سے خارج کیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کا تقرر عمل میں آیا، ایسا کیوں ہوا، یہ دوبارہ ان کا تقرر کسی طرح صحیح نہیں۔

۶۔ مولانا عبدالغفار صاحب کے اندر چونکہ دارالاقامہ کی نگرانی کی صلاحیت بالکل مفقود ہے اس لئے ان کو نگرانی سے معزول کیا جائے۔ نیز نگران اعلیٰ کا عہدہ محض اضافہ ہے اس لئے ان کو بھی نگرانی سے دستبردار کیا جائے منتہی طلبہ تک کی چھوٹی باتوں کی ٹوہ لگانا اچھی نگرانی ہے اور نہ اچھا نظام تربیت

۷۔ طلبہ کے کسی بھی جرم پر ان کا کھانا نہ بند کیا جائے بلکہ کوئی معقول تادیبی کارروائی کی جائے۔ نیز چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کا اخراج نہ کیا جائے۔

۸۔ ندوہ کے ہوسٹلوں میں جو اس طرح کا انتظام کیا گیا ہے کہ وہاں کے نگراں حضرات طلبہ کے تمام خطوط پڑھنے کے بعد ان کے حوالہ کریں یہ چیز اسلامی آداب اور عام انسانی آداب دونوں کے صریحاً خلاف ہے۔ اس طرح کی مذموم حرکت کا ہم خاتمہ چاہتے ہیں جس کی زندہ مثال ابھی حال میں پیش آئی ناظم "جمعیۃ الاصلاح خورد" کا خط تمام طلبہ کے سامنے سنایا گیا اور اس عنوان کے ساتھ سنایا گیا کہ ایک بیوقوف باپ کا خط عقلمند بیٹے کے نام۔ اس طرح اس کی توہین و تذلیل کی گئی

۹۔ ندوہ کے طلبہ کو جو کھانا دیا جاتا ہے وہ اس قدر خراب ہوتا ہے کہ اسے دیکھتے ہی طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ندوہ میں دوسرے مدارس عربیہ کے مقابلہ میں کھانے کی فیس زیادہ ہی لی جاتی ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ کھانے کا معقول انتظام کیا جائے۔

منجانب

جمیع طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نوٹ: طالب علم مذکور نے دوسرے روز کے قومی آواز میں تردیدی بیان شائع کرایا جس میں پوسٹر کے مندرجات سے اپنی براءت کا بھی اعلان کیا ہے۔

سول ایجنساں

(۱)

اودھ جنرل اسٹورس

امین آباد لکھنؤ

(۲)

ایم ایس۔ ظہیر برادرس

چمن گنج

کانپور

ہنگامہ پسند طلبہ کے پوسٹر کا جواب

مسلمانان ہند کی خدمت میں

پرامن طلبہ کی طرف سے

نوٹ:۔ کسی اشتہار کی اشاعت کا قطعاً ارادہ نہ تھا لیکن اپنے بھائیوں کے غلط فہمی میں مبتلا کر دینے والے اشتہار کے بعد ضروری ہو گیا کہ گمراہ کن باتوں کی تردید اور حقیقت کی وضاحت کر دی جائے (طلبائے دارالعلوم)

کئی سال سے ہم لوگ اس گہوارۂ علمی میں پل رہے ہیں، مسلسل دیکھ رہے ہیں کہ طلبہ کی اعلیٰ تربیت کے لئے اساتذہ کی توجہات، متعلقین کار کی عنایات اور ناظم ندوۃ العلماء کی پیہم کوششیں جاری ہیں۔ لیکن پھر بھی علمی انحطاط میں کمی نہیں ہو رہی ہے اور نہ سیرت و اخلاق میں بہتری پیدا ہو رہی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کا احساس سبھی ذمہ داران ندوہ کو ہے اور اس کی روک تھام اور اصلاح کی معقول کوششیں جاری ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اس سال نسبتہً نگرانی کے انتظام کو مزید قوی بنایا گیا اور اس طرح سے رات میں مسلسل غائب رہنے والے طلبہ کی گرفت ہونے لگی۔ اور تنبیہ و تادیب شروع ہوئی۔ اور بعض ایسے طلبہ کا اخراج ہوا جن کے ساتھیوں اور دوستوں کو ان کا اخراج بہت ہی ناگوار ہوا اور وہ اخراج کے بعد بھی اب تک دارالاقامہ سے ربط قائم رکھے رہے۔ ان کو برابر اس بات کی فکر رہی کہ ان کا اخراج نہ ہو یا پھر ایسی صورت پیدا کی جائے کہ انتظامیہ اور اہتمام پریشان ہو کر رہ جائے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۲ر مئی کو ششماہی امتحان کا اعلان ہوا، تمام طلبہ امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ دارالعلوم کے طلبہ کی ایک تعداد یونیورسٹی کے امتحانات میں بھی چوری چھپے (چوری اس لئے کہ دارالعلوم کے ضوابط میں ممنوع ہے کہ بیک وقت دو جگہ سے تعلق رکھا جائے) شریک ہو رہی ہے، یونیورسٹی کے امتحانات کی تاریخیں ندوۃ العلماء کے امتحانات سے ٹکرا نہیں رہی تھیں مگر ہنگامی حالات کی بنا پر ۲۳ر مئی تک یونیورسٹی کے امتحانات ملتوی کر دیئے گئے۔ اب ان طلبہ کو فکر ہوئی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زمانۂ امتحان میں کس طرح یونیورسٹی کا امتحان دیں، ادھر اسی درمیان کچھ موسمی گرم ہوائیں بھی چلنے لگیں، جن سے جھانسی اور گورکھپور وغیرہ کے اطراف میں متعدد موتیں واقع ہوئیں دارالعلوم نے اس نقصان سے بچنے کے لئے تعلیمی وقت صبح ساڑھے چھ بجے سے ساڑھے دس بجے تک کر دیا یعنی صرف چار گھنٹے روزانہ۔ لیکن پھر بھی طلبہ کی ایک تعداد نے کچھ یونیورسٹی کے امتحانات کی سہولت کی خاطر اور کچھ اس لئے کہ دارالعلوم کی رخصت گویا دس روز قبل ہی ہو جائے، گرمی کی شدت کا بہانہ بنا کر ۲۰ر مئی سے چھٹی کا مطالبہ تیار کیا۔ انجمن جمعیۃ الاصلاح کے اراکین اور ناظم نے پہلے مرحلے میں تو اس پر سخت نکیر کی مگر جب مطالبہ کرنے والے طلبہ نے ان کو لیڈری اور ڈکٹیٹر شپ کا خواب دکھایا تو انھوں نے بھی ان کے مطالبہ سے اتفاق کر کے قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

(احمد کمال صدیقی، محمد ہارون جمیل، محمد وکیل خاں بعض طفیلی قائدین میں سے ہیں) پھر انھوں نے تمام طلبہ کو اس مہم پر اکٹھا کرنے کی جد و جہد کی اور پندرہ مئی کو ایک وفد بنا کر قائم مقام مہتمم شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد اویس صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ (مہتمم صاحب چونکہ اس وقت ضروری کام سے کانپور تشریف لے گئے تھے) حضرت مولانا ان کے علم و اتفاق کے بغیر مطالبہ کے متعلق کوئی متعین بات کہنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ مولانا کو نشانہ بنانے کا صرف یہی سبب ہے۔ اس کے بعد چندہ ہوا اور چار طلبہ چندہ سے، دو ذاتی خرچ سے ایک وفد کی شکل میں کانپور مہتمم صاحب کے پاس پہنچے۔ ادھر طلبہ کی ایک خاصی تعداد تھی جو تاجیل امتحان کے بالکل مخالف تھی۔ کیونکہ اولاً وہ مشغول و محنتی طلبہ تھے جن کا ذہن اس بیجا مطالبہ کی مخالفت کی منظم کوشش کے لئے وقت نکالنے کی طرف جا نہ سکا، ثانیاً ان کو یقین تھا کہ امتحان کا اعلان ہوئے ایک عشرہ ہو چکا ہے ساری تیاریاں مکمل ہیں، اب اس میں تبدیلی ناممکن ہے۔ وفد نے کانپور میں مہتمم صاحب سے مل کر اپنا مطالبہ پیش کیا، خدا معلوم مہتمم صاحب سے ان کی کیا گفتگو ہوئی۔ بہرحال وہاں سے واپس ہو کر اس وفد نے اعلان کیا کہ کچھ شرائط کے ساتھ فی الحال امتحان ملتوی ہو گیا۔ اور اب جولائی میں ہوگا۔ اور چند شرائط مقرر کر کے ان کے ایفا پر طلبہ سے دستخط لینے شروع کر دیئے، اتنے میں ۹ بجے اہتمام کی طرف سے معلوم ہوا کہ امتحانات کا التواء اور رخصت گرما کو مقدم کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے، اس خبر سے التواء امتحان چاہنے والے طلبہ میں غصہ و جوش پیدا ہو گیا اور انھوں نے مسلسل جلسے، کانفرنسیں، جگہ جگہ پر تقریریں شروع کیں اور اپنے مطالبہ کی طاقت کو بڑھانے کے لئے انھوں نے اچانک ۱۹ر مئی کی ایک میٹنگ میں چند عام شکایات پر مشتمل ایک نو نکاتی مطالبہ مزید بڑھا لیا اور اس کو لے کر تقریباً سو سے زائد طلبہ دفتر اہتمام میں گھس آئے اور نازیبا تخاطب کے ساتھ اپنے مطالبات پیش کر کے ان کو پورا کئے جانے پر زور دیا۔ اس وقت کسی استاد کو اندر نہیں جانے دیا۔ بہرحال مہتمم صاحب نے ناظم صاحب سے مشورہ کے بعد جواب دینے کا وعدہ کیا اور رائے بریلی تشریف لے گئے۔ دوسرے روز واپسی ہوئی۔ اس درمیان میں ان لوگوں نے برابر جلسے کئے۔

مخاطبیں میں اور جوشیلے جذبات ابھارے، مہتمم صاحب نے رائے بریلی سے واپسی پر غیر معینہ مدت کے لئے دارالعلوم کے بند کئے جانے کا اعلان کر دیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ناظم ندوۃ العلماء بذات خود تشریف نہیں لائے، خدا معلوم وہ باخبر ہو گئے یا قدرت کا یوں ہی نظام تھا۔ بڑا اچھا ہوا ورنہ مسئلہ اور نازک ہو جاتا۔ اس لئے کہ یہی ناظم صاحب کے تشریف نہ لانے کی شکایت کرنے والوں نے اپنی میٹنگوں میں طے کیا تھا کہ مولانا کی بات نہ خود سننی ہے اور نہ دوسروں کو سننے دینی ہے۔ البتہ اگر وہ منظوری کا اعلان کریں تو صرف یہی سنا جا سکتا ہے کہ افسوس کہ مشہور زمانہ اساتذہ اور بزرگوں کی خدمت سے ہم نے یہی استفادہ کیا۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل\
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

غیر معینہ مدت کے لئے مدرسہ کا بند ہو جانا گویا ان طلبہ کی ہار تھی، لہٰذا انھوں نے پھر جلسہ کیا۔ عصر سے پہلے مہتمم صاحب کا گھراؤ کیا گیا۔ دروازہ توڑ دیا، کھڑکی کی جالیاں توڑ دیں۔ صراحی توڑ دی اور بہت ہی نازیبا انداز میں گفتگو کی اور پھر اپنے شورش پسند طرز عمل کا دباؤ ڈال کر حسب منشا ایک تحریر پر دستخط کروانے، مہر لگوانے پر بھی مجبور کیا۔ منعم صاحب کو گھیر کر لائے اور دفتر سے مہر نکلوا کر ثبت کروائی۔ ٹیلیفونوں پر قبضہ کیا۔ مہتمم صاحب کو عصر کی نماز پڑھنے کے لئے جانے نہیں دیا۔ نازیبا نعرے لگائے اور شور و شر کی ایک فضا پیدا کر دی۔ مغرب بعد ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے تاکہ کوئی اور کسی کا آدمی باہر سے ربط نہ قائم کر سکے اور امن پسند اور اختلاف رکھنے والے طلبہ کی ڈھونڈ ڈھونڈ کر پٹائی شروع کر دی کچھ بھاگ نکلے، کسی نے مار کھائی، جس کے نشانات خود پولیس نے بھی دیکھے۔ اور رپورٹ درج کی۔ خدا کا فضل ہے کہ کسی کو ایسی چوٹ نہیں آئی کہ مر جاتا لیکن مار کھانے والے ابھی تک تکلیف سے پوری طرح شفا نہیں پا سکے۔ نگراں حضرات کو خوفزدہ اور پریشان کیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض کو خوشامد کرنی پڑی۔ اور اپنی عمروں کا واسطہ دینا پڑا۔ جب وہ بچ سکے۔ اس کے باوجود یہ شورش پسند طلبہ نہایت بے شرمی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کا احتجاج پرامن رہا۔ تو کیا ان کے نزدیک آدمیوں کے مر جانے کے بعد ہی تشدد کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اشتہار میں اپنے سارے عیوب چھپا رکھے ہیں۔ اور اپنے مطالبات جمیع طلبہ کی طرف سے اس ڈھنگ سے پیش کئے ہیں گویا ان کو علم سے بڑا شغف ہے اور ان کو علم و مطالعہ کی بڑی تشنگی ہے۔ پی اے سی کا آنا ہمارے لئے رحمت ثابت ہوا۔ ورنہ خاصی تعداد ہونے کے باوجود غیر منظم ہونے کے سبب کسی نہ کسی کی جان چلی جانے کا خطرہ محسوس کیا جانے لگا تھا۔ اب ہم ان کے نو نکاتی مطالبہ پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ بیشک علامہ شبلی کے ندوہ پر بڑے احسانات ہیں اس سے کس کو انکار ہے۔ ان کے حق میں معاندانہ رویہ اختیار کیا جانا احسان فراموشی ہی نہیں ناحق شناسی بھی ہے ہم چار چار، چھ چھ، آٹھ آٹھ سال سے یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم نے نہ تو مہتمم صاحب کو اور نہ ناظم ندوہ

کو کوئی ایسی بات کہتے یا کرتے دیکھا نہ سنا، جس سے علامہ شبلی سے عناد، یا مخالفت یا ان کے مقام کو گرانے کی کوشش یا جذبہ ظاہر ہوتا ہو بلکہ ذمہ داران کی گفتگو میں اور خود ناظم صاحب کی بعض تقریروں میں علامہ شبلی کی بلند مقامی کے حوالے دیئے جاتے رہے ہیں اور ان کے مقام کو پہچاننے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کو اختیار کرنے پر زور دیا جاتا رہا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس معاندانہ رویہ اختیار کرنے کا الزام درحقیقت ان ہنگامہ پروازوں کے لیڈر ابوالکلام جوہر الظمی ہی پر آتا ہے جنھوں نے نہایت بے شرمی کے ساتھ کئی بار کہا کہ شبلی نہ تو عالم تھے نہ شاعر و فلسفی حتیٰ کہ وہ تاریخ و سیرت نگاری سے بھی واقف نہ تھے بلکہ وہ محض ایک جذباتی شخص تھے۔ جو مختلف پیرایوں میں ظاہر ہوتے رہے۔ اس کے بعد ہی یہی لیڈر صاحب اور ان کے سرپھرے ساتھی اپنی ایڑی کا گود دوسروں کی ایڑیوں میں لگانا چاہتے ہیں۔ بڑی شرم کی اور بیہودہ بات ہے۔

۲۔ جہاں تک انگریزی تعلیم کے اساتذہ کی فراہمی کا سوال ہے وہ اصلاً بہت معقول طریقہ سے کیا گیا ہے۔ تین تین تجربہ کار ایم اے کئی سال سے کام کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ دشواری ہو رہی ہے کہ نصاب کے مطابق پوری تعلیم نہیں ہو پاتی۔ اس کا سبب ہم طلبہ ہی ہیں کیونکہ ہر درجہ میں ایک ایسی تعداد ہے جو اپنے انگریزی مضمون میں کمزوری کے باوجود مزید محنت کر کے درجہ کے دوسرے اچھے ساتھیوں کے معیار تک جانے کی کوشش میں ہیں۔ اسی بے خیالی اور آرام پسندی کی وجہ سے انگریزی کی استعداد میں نہایت بے ترتیبی پیدا ہوتی ہے جس کی طرف سے مہتمم صاحب نے خصوصی توجہ کا کئی بار وعدہ کیا اور وہ کوشش بھی دکھائی جو وہ کر رہے ہیں۔ — عربی ادب و انشاء بے شک ندوہ کا امتیازی مضمون ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ان مضامین کے ہمارے اساتذہ کم از کم ہندوستان میں کمیاب ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس تحت طلب مضمون سے ہمارے ساتھی جس طرح بھاگتے ہیں اس کا اندازہ ان گھنٹوں کی حاضری اور درجہ کے کام کے جائزہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اساتذہ حضرات کا مقام تو یہ ہے کہ ان کی عربی تحریریں و تقریریں عرب فضلاء بھی قدر سے دیکھتے ہیں اور انھیں کے قلم ندوۃ العلماء سے عربی کے دو پرچے نکلتے ہیں اس سے زیادہ ہم طلبہ ان حضرات کی صلاحیت کے متعلق کیا عرض کر سکتے ہیں۔

۳۔ سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مفکر اسلام حضرت مولانا اسحٰق صاحب کی موجودگی میں نئے شیخ الحدیث کا مطالبہ سمجھ میں نہیں آتا جہاں تک شیخ التفسیر کے بدلے جانے کا تعلق ہے وہ بالکل لغو اور مہمل سوال ہے جس کا اندازہ بیس سال کے درس تفسیر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کیا ان طلبہ سے پہلے کسی اور کو بھی اعتراض ہوا تھا اور کیا خود ان کے پچھلی کے مطالبہ پر شیخ التفسیر کے جواب سے پہلے کوئی اعتراض ہوا تھا۔

۴۔ مطالعہ پڑھانے میں کسی اور استاد کا نام لیا گیا ہوتا تو غلط فہمی پر محمول کیا جا سکتا تھا۔ مگر مولانا عبدالماجد صاحب، مولانا محمد رابع صاحب اور مولانا ابوالعرفان صاحب سابق مہتمم دارالعلوم تو ان اساتذہ میں ہیں جو تدریس میں انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور یہی ہمارے دارالعلوم کے روح رواں ہیں۔

۵۔ ایک استاد کے متعلق جو کہ نہیں پابند اور متدین شخص ہیں جو بات کہی گئی ہے بہت ہی نازیبا ہے۔ افسوس ہے کہ اس کو بالکل اس کے آگے پیچھے کی باتوں سے ہٹا کر نہایت شرارت انگیز طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔ اپنا مخالف یا کسی مسلمان کو رسوا کرنا بہت ہی مکروہ فعل ہے اس کا خدا کو جواب دینا ہوگا۔

۶۔ باصلاحیت نگراں وہ ہے جو نگرانی کا حق ادا کرے مولانا عبدالغفار صاحب اور نگران اعلیٰ کو ہٹائے جانے کا مطالبہ محض غلط آزادی کا مطالبہ ہے۔ جس سے جمیع طلبائے دارالعلوم بالکل متفق نہیں ہیں، ہم تو اس کے بھی قائل ہیں کہ منتہی طلباء کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں دور کی جائیں۔ اس لئے کہ عنقریب وہ قوم کے مقتدا بننے والے ہیں۔

۷۔ کسی جرم پر کھانا بند کئے جانے کے تو ہم بھی مخالف ہیں اس لئے کہ ایسا طالب علم سزا نہیں پاتا بلکہ اس کی آؤ بھگت ہو جاتی ہے یا تو اس کے ساتھی اس کی دعوت کرتے ہیں یا پھر باپ کی کمائی سے ہوٹل بازی کرتا ہے اس لئے کھانا بند کئے جانے کے بدل کی فکر ہونی چاہیے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کھانا بھی نہ بند کیا جائے، سزا بھی نہ دی جائے، اخراج بھی نہ ہو، پھر تادیبی کارروائی کی کیا صورت نکالی جائے۔ رہا یہ مطالبہ کہ چھوٹی بات پر کسی کا اخراج نہ ہو بالکل صحیح ہے لیکن کب ایسا ہوا، کیا اساتذہ کو فحش گالیاں دینا، نگراں کو مارنے پر آمادہ ہونا، امین آباد و حضرت گنج کی بے محابا سیر و تفریح اور سینما بینی قابل عفو اور چھوٹی باتیں ہیں۔

۸۔ چھوٹے اور کمسن طلبہ کے ذہنی الجھاؤ کی روک تھام کے لئے ضروری ہے کہ ان کی فضول خطوط بازی سے روکا جائے یہ آداب کے خلاف نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو ضرورت کے تحت جائز بلکہ واجب ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ خطوط صرف چھوٹے دارالاقامہ میں اور صرف چھوٹے بچوں کے پڑھے جاتے ہیں جن کے سرپرستوں نے نگراں دارالاقامہ یا کسی استاد کو اپنے بچوں کی خصوصی طور پر سرپرستی کرنے اور حسب مصلحت و صوابدید رویہ اختیار کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، اشتہار میں مذکورہ واقعہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں بہت اجلال و توضیح سے کام لے کر نہایت شرارت انگیز طریقہ سے پیش کیا گیا ہے۔

۹۔ "ندوہ کے کھانے کو دیکھ کر طبیعت مکدر ہو جاتی ہے" یہ جملہ بہت ہی نازیبا ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ اس ناقدری کی سزا نہ مل جائے۔ رہا دوسرے اداروں سے تقابل تو ہمارے نزدیک ندوہ کا کھانا کسی بھی اسلامی ادارہ سے خراب نہیں ہوتا۔ باقی کچھ نہ کچھ شکایات تو وہ ہم سب کو ہیں اور ذمہ دار حضرات نے کبھی بھی اس سے انکار نہیں کیا اور ان کی درستگی کے لئے وہ برابر کوشاں رہتے ہیں۔ فقط والسلام

(طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (یو۔پی)

ندوہ کے بارے میں

مولانا ابوالحسن علی ندوی

کا بیان

ناظم ندوۃ العلماء مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا ہے۔

"میں رائے بریلی میں مقیم تھا کہ دارالعلوم میں طلبہ کی طرف سے وہ افسوسناک اور تکلیف دہ ہنگامہ شروع ہوا جس کا ذکر اخبارات میں آچکا ہے۔ یہ عربی مدرسے ہمارے نزدیک دین و اخلاق کی پناہ گاہیں ہیں ان میں اس طرح کی تخریبی اور مفسدانہ تحریکیں ان کے مقصد اور روح کے قتل کے مرادف ہیں۔ اس لئے جب رائے بریلی میں مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں نے مہتمم صاحب سے کہہ دیا کہ اگر طلبہ اپنا رویہ نہ بدلیں تو دارالعلوم کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا جائے۔ مجھے بے حد دکھ ہے کہ طلبہ کے شرارت پسند عنصر نے اپنے رویہ پر اصرار جاری رکھا۔ مجھے پورا اندازہ تھا اور یہاں آکر تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ جیسا کہ فطرت اور اس طرح کی شورشوں کے موقعوں پر ہوا کرتا ہے۔ اصل شرارت پسندوں کی تعداد بہت کم ہے زیادہ تر وہ ہیں جو ان باتوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے۔ لیکن وہ اپنی سلامتی خاموشی میں سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو دباؤ اور دہشت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

بہرحال اس وقت دارالعلوم بند کر دیا گیا ہے مناسب وقت پر اس کے کھلنے کا اعلان اخبارات میں کر دیا جائے گا۔ کچھ طلبہ اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔ دارالعلوم کی طرف سے جانے والوں کو کنسیشن فارم برابر دیئے جا رہے ہیں یہ بھی اعلان کر دیا گیا ہے کہ جن طلبہ کے پاس گھروں کو جانے کے لئے ضروری سفر خرچ نہ ہو وہ دفتر دارالعلوم سے قرض لے سکتے ہیں۔

طلبہ کی طرف سے جن مطالبات کا ذکر کیا جا رہا ہے ان میں سے کچھ واقعیت و معقولیت ہے طلبہ کو علم ہے کہ دارالعلوم کے ذمہ داران اس سے غافل نہیں۔ اسی کے ساتھ جہاں تک دارالعلوم کی تعلیمی و انتظامی ضروریات کا تعلق ہے وہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہم اس ذمہ داری کو پورا کرنے سے غافل نہیں ہیں۔

ایک ضروری بات

مولانا محمد رابع ندوی

دارالعلوم کے ذمہ داروں نے ۱۹ر مئی کو دارالعلوم کے غیر معینہ مدت کے لئے بند کئے جانے کا اعلان اس مجبوری سے کیا کہ طلبہ کی غیر معقول شورش کی فضا کو ختم کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سوائے اس کے کہ کسی طرح جبری یا غیر جبری سکون پیدا کیا جائے تاکہ حالات کو صحیح راہ پر لایا جا سکے لیکن طلبہ کو بھی یہ محسوس ہوا کہ دارالعلوم کا موجودہ بند ہونا کوئی پرسکون ماحول میں بند ہونا نہیں ہے بلکہ یہ ایک غیر معمولی وقفہ ہے اور یہ کہ دارالعلوم ایک نامناسب فضا سے دوچار ہے۔ رہے طلبہ کے مطالبات تو ان میں سے کچھ تو ان کے دائرہ فکر و عمل سے باہر کے ہیں اور ان کے سلسلہ میں صرف ذمہ داروں کی واقفیت اور صوابدید ہی پر اعتماد کیا جانا ضروری ہے اور کچھ مطالبات معمولی اور وقتی ہیں شکایات سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے اور دارالعلوم کے کبھی بھی واقعی شکایات کو دور کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور ہنگامہ شروع ہونے کے وقت تک دارالعلوم کی طرف سے "یہی بات" ظاہر ہوتی رہی جس کو طلبہ بھی جانتے تھے اور جانتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کو ان کے سیاسی مصالح نے مطالبات کے نام پر ایسا اقدام کرنے پر آمادہ کیا جو بحیثیت طلبہ کے ان کو ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اور کم سے کم مدارس عربیہ میں تو یہ طریقہ کار کبھی بھی قابل برداشت نہیں ہو سکتا۔

رہا ندوہ میں پی اے سی کا بلوایا جانا تو وہ کسی تشدد کے مقصد سے ہرگز نہ تھا بلکہ اس فضا کو دبانے اور دور کرنے کے لئے تھا جو کہ طلبہ نے اپنے بعض تشدد پسند اور غیر مہذب عناصر کی رہنمائی میں پیدا کر دی تھی۔ اور جس کی موجودگی میں یہ اعتبار باقی نہیں رہا تھا کہ طلبہ کے بے ہنگم مجنون جلوسوں کا رخ کس طرف ہو جائے، وہ اگر اپنے مطلب کی حفاظت وحکیل کے لئے ٹیلی فون کے تار توڑ سکتے ہیں۔ اسٹاف کے بعض ممبروں کو گھیر کر ان سے نہایت غیر مہذب طریقے بازپرس کر سکتے ہیں، آوازے کسنے، خوفزدہ کرنے گھیراؤ کرنے کے مختلف طریقوں کو بلاتکلف اپنا سکتے تھے۔ اپنے بعض رفقاء کو محض اختلاف رائے پر مار سکتے اور زخمی کر سکتے تھے تو کیا اپنے نگراں و غیر نگراں اساتذہ کی اہانت بلکہ ان کو کسی حد تک زدوکوب نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں دارالعلوم کے ذمہ داروں کا یہ یقینی فرض تھا کہ وہ ایسی خطرناک اور غیر شریفانہ فضا کو دبانے کے لئے ممکن ذرائع اختیار کریں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے پھر بھی بہت تحمل کا ثبوت دیا کہ انھوں نے بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھ کر پی اے سی کو بلا کر صرف محافظ کی حیثیت سے رکھا، اس کو عملاً استعمال نہیں کیا۔ اور اگر طلبہ نے خطرہ اور نالائقی کی وہ فضا پیدا نہ کردی ہوتی جو انھوں نے ۱۹ر مئی کی شام و رات کے اوقات میں پیدا کر دی تھی تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ دار پی اے سی بلانے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ ان کا ہرگز یہ جی نہ چاہتا تھا کہ جن کو وہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کی طرح سمجھتے رہے ہیں اور سمجھتے ہیں ان کو دبانے کے لئے پولیس کی مدد لیں۔ لیکن ان بیٹوں اور بھتیجوں کی نالائقی اور سرکشی نے نہ صرف یہ کہ ایسے تلخ کام پر مجبور کیا بلکہ اس کا خطرہ بھی احساس کرا دیا کہ شاید پی اے سی کو سختی کا برتاؤ کرنے پر تیار کرنا ہوگا۔ لیکن خدا کا فضل ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئی اور کئی روز تک مسلسل تحمل و ضبط اختیار کئے رہنے کے بعد تھوڑے تھوڑے کر کے طلبہ اپنے وطنوں کو روانہ ہوئے۔ اور دارالاقامہ میں تعطیل اور مدرسہ بند ہونے کی فضا جو کہ کئی روز پہلے ہی پیدا ہونی چاہیے تھی مشکل اور تلخی کے بعد کئی روز تاخیر سے پیدا ہو سکی۔ پھر بھی کئی طالب علم جو سرکشی اور نالائقی کی فضا پیدا کرنے اور قائم رکھنے والے تھے شہر میں مقیم رہے اور شہر کے ان عناصر سے جو ندوۃ العلماء، ناظم ندوۃ العلماء اور دارالعلوم کے ذمہ داروں سے ناراضی یا ذاتی رنجشیں رکھتے تھے رابطہ قائم کرتے اور ان سے مدد لیتے رہے۔ ان کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ وہ بعض اس بناء پر کہ ان کی ایک وقتی خواہش کو ندوہ کے ذمہ داران قبول نہ کر سکے وہ ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ اور اس کے کام کرنے والوں کو آخری حد تک رسوا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس عظیم ادارہ کی شہرت کو مٹی میں ملا رہے ہیں۔

پی اے سی کی آمد کے بعد جو کہ صرف آمد ہی تھی کوئی سختی یا اہانت نہ تھی طلبہ کے شر پسند عنصر نے ایک پوسٹر تیار کرا کے چھپوایا۔ اس میں اولاً تو ناظم ندوۃ العلماء کی ذاتی اور صداقتی شخصیت پر رکیک حملے تھے اس کے بعد ان مطالبات کو جو ان طلبہ نے دو روز قبل مہتمم صاحب دارالعلوم کے سامنے رکھا تھا، پوسٹر میں دہرا کر پیش کیا گیا تھا اور عامۃ المسلمین کی ہمدردیوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ پوسٹر میں جو لہجہ و اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ ناشائستہ بھی تھا اور اس میں حقیقتوں کو اپنے مقصد کے مطابق جگہ جگہ تبدیل بھی کر دیا گیا ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داران ان شورش پسند طلبہ سے کوئی دو مباحثہ پسند نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو اپنا کچھ ہمدرد سمجھتے تھے لیکن چند وہ طلبہ جنھوں نے شورش پسندوں سے اختلاف کرنے پر مار بھی کھائی تھی اور خوفزدہ بھی کئے گئے تھے جواب دینا ضروری سمجھا اور انھوں نے اس پوسٹر کا جواب لکھ کر شائع کیا اور ان جگہوں تک پہونچانے کی کوشش کی جہاں پوسٹر پہنچا دیا گیا تھا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ذمہ داران اور ہمدرد حضرات ان حالات کو تشویش اور فکرمندی کے ساتھ دیکھتے رہے اور رنج و فکر محسوس کرتے رہے اور اس سانحہ پر افسوس کرتے رہے جو طلبہ کی سرکشی کی صورت میں ایک دینی ادارہ کے ذمہ داروں اور اساتذہ کو پیش آیا۔

ظاہر ہے کہ اس سانحہ کے اصل باعث وہ عناصر ہیں جو اپنے ذاتی مصالح اور شخصی آرام و منافع کو اجتماعی دینی، اخلاقی اور معاشرتی مصالح پر بآسانی ترجیح دیتے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر اچھی بری بات اختیار کرنے میں دریغ نہیں کرتے یہ عناصر ہر جگہ اور ہر دائرے میں کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں۔ ان عناصر کی موجودگی شر و فساد کا اصل سبب ہے۔ اور ان کا ازالہ بہرحال ضروری ہے۔ چنانچہ دارالعلوم کے ذمہ دار مقررہ وتحقیق کے بعد طلبہ کے ان عناصر کو متعین کریں گے اور اخراج نیز دوسری ضروری سزاؤں سے ان کا مداوا کریں گے۔

طلبائے دارالعلوم میں نصف سے زیادہ تعداد ان طلبہ کی ہے جنھوں نے اپنے کو اس ہنگامہ سے کسی طرح دور رکھا اور وہ بالکل علیحدہ رہے اور اس ہنگامہ میں آلودہ ہو جانے والے طلبہ میں بھی ایک تعداد ان طلبہ کی ہے جنھوں نے کوئی خاص ہنگامہ میں حصہ نہیں لیا۔ معمولی شرکت کی اور بعض نے مخفی طور پر ذمہ داروں کو آکر یہ بھی بتایا کہ وہ اور ان جیسے طلبہ کی ایک معقول تعداد ہے جو زبردست طلبہ سے خوف اور ماحول کے دباؤ سے شورش پسندوں کی مخالفت یا اختلاف نہیں کر پا رہے ہیں ورنہ اصلاً وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں۔

ہنگامہ کے اسباب کے بارے میں اہل نظر و اہل واقفیت کے نزدیک مختلف رائیں ہیں۔ جن میں بنیادی بات یہ ہے کہ طلبہ کے ایک طبقہ میں مدت سے یہ ذہن چل رہا تھا کہ وہ جو بھی طرز زندگی اور مصروفیات اختیار کرنا چاہیں دارالعلوم اس پر زیادہ روک ٹوک نہ کرے۔ ادھر سال رواں کو روک ٹوک میں سختی بڑھا دی گئی۔ امتحانات بھی سخت لئے جانے کا اعلان ہوا۔ مزید یہ کہ امتحان ششماہی انہی دنوں میں پڑا جن دنوں میں یونیورسٹی میں علوم شرقیہ کے امتحانات ہونے والے تھے طلبہ کا ایک سرکش عنصر خفیہ طریقہ سے دونوں اداروں میں بیک وقت امتحانات کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ کچھ گرمی بھی زیادہ پڑی۔ چنانچہ ان باتوں نے لا کر طلبہ کے تند و تیز عنصر میں باغیانہ ذہن پیدا کیا۔ اور عام طلبہ کو ضد و سرکشی پر آمادہ کرنے کی تدبیریں اختیار کرنے پر اکسایا۔ اس طرح کے جذبات تھے جو سال کے دوران کئی بار مختلف پابندیوں اور گرفتوں پر ابھرے تیز ہوئے لیکن ہنگامہ یا اسٹرائک بننے سے قبل ہی کنٹرول میں آ گئے۔ لیکن یہ آخری بار کنٹرول میں نہ آ سکے۔ اور انھوں نے وہ شکل اختیار کر لی جو ہم سب کے لئے شرم اور تکلیف کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اب ان حالات کے صحیح ازالہ کی توفیق عطا فرمائے اور مدرسہ کو ایسی فضا عطا فرمائے جو اس کے شایان شان ہو۔ اور قابل فخر و عزت ہو۔

ندوہ کی اسٹرائیک

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا بیان

طلبا کی اسٹرائیک کی وبا اب عربی مدارس تک پہونچ گئی۔ دار العلوم دیوبند کی اسٹرائیک کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ یہی تماشہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں کھیلا گیا۔ اور یہاں کے طلباء نے وہ پورا سبق دُہرایا جو انھوں نے یونیورسٹیوں کے طلباء سے سیکھا تھا وہ دار العلوم کے پاس اپنے والدین کی مقدس امانت ہیں۔ ان کی تعلیمی و اخلاقی صلاح وفلاح ان کے آرام و آسائش کا خیال اور ان کی جائز شکایتوں کا ازالہ دار العلوم کے اساتذہ و منتظمین کا فرض ہے لیکن وہ دینی علوم کے طالب علم ہیں جن کو آئندہ چل کر مسلمانوں کا مذہبی رہنما بننا اور دوسروں کے سامنے اسلامی اخلاق و کردار کا نمونہ پیش کرنا ہے اس لئے ان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خود زمانے کی رو میں بہ جائیں۔ اور وہ سب کچھ کریں جو مذہب، اخلاق اور مشرقی ادب و تہذیب سے آزاد طلبا کرتے ہیں۔ توڑ پھوڑ اساتذہ اور متعلقین سے گستاخی، امن پسند طلباء سے بدسلوکی کی نہ اسلامی اخلاق اجازت اور نہ مطالبات کو منوانے کی یہ صحیح شکل ہے۔

یہ عذر بالکل غلط ہے کہ مہتمم صاحب کے انکار پر طلبا اسٹرائیک کرنے پر مجبور ہو گئے جس کی تردید خود مہتمم صاحب کے بیان سے ہوتی ہے لیکن اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ندوہ کے ناظم مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی صاحب رائے بریلی میں اور ندوہ کے بہت سے ارکان خود لکھنؤ میں موجود تھے۔ ان کی طرف وہ رجوع کر سکتے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ طلبا نے جو شکایتیں کی ہیں وہ فوری نہیں بلکہ بہت پہلے سے چلی آ رہی ہیں۔ اس لئے ان کو مولانا ابو الحسن علی اور ارکان ندوہ کے سامنے پیش کرنے کا پورا موقع تھا خود راقم سال میں کئی مرتبہ ندوہ جاتا ہے مگر کبھی کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ اس لئے محض مہتمم صاحب کے انکار سے اسٹرائیک کا جواز نہیں نکل سکتا۔

اس واقعہ سے دار العلوم اور طلبا کے وقار دونوں کو نقصان پہونچا۔ اور ندوہ کے تمام بہی خواہوں خصوصاً علی میاں کو بڑی اذیت ہوئی۔ جو اس اسٹرائیک کا سب سے بڑا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے آئندہ چل کر کوئی شخصیت پیدا ہو جائے لیکن اس وقت ندوہ کے بارِ گراں کو سنبھالنے والے مولانا علی میاں کے سوا کوئی نہیں ہے اور وہ یہ کام حسبۃً للہ کرتے ہیں ان کے دور نظامت میں ندوہ نے مختلف حیثیتوں سے جو ترقی کی اور جو بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے اس سے کوئی مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا اس لئے ان کو ندوہ کی نہیں بلکہ ندوہ کو ان کی ضرورت ہے۔ اور اب ان کی صحت اس قسم کے ہنگاموں کی قطعی متحمل نہیں ہے۔

چند مہینے ہوئے وہ اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر ندوہ سے علاحدگی کا فیصلہ کر چکے تھے لیکن ندوہ کے ارکان خاص طور سے راقم کے اصرار پر انھوں نے یہ فیصلہ بدلا تھا۔ دور کے بدخواہوں کو ندوہ کے انجام سے بحث نہیں ان کو تو ایک مشغلہ چاہئے۔ لیکن ندوہ کے طلباء کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر علی میاں بددل ہو کر نظامت سے مستعفی ہو گئے تو اس کا حشر کیا ہوگا اس لئے جو لوگ اپنی تخریبی کارروائیوں سے ان کو بددل کرتے ہیں وہ حقیقتاً ندوہ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ چیز قابل غور ہے کہ ہندوستان میں مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کے اصل قلعے عربی مدارس ہیں ان ہی کی بدولت ان کا نشان باقی ہے۔ اس لئے ایک طبقہ کی نگاہ میں جو اسلامی تہذیب و ثقافت کو ہندوستان سے مٹانا چاہتا ہے۔ عربی مدارس بہت کھٹکتے ہیں جو لوگ مسلم یونیورسٹی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے وہ عربی مدارس کو کب گوارہ کریں گے۔ اس لئے جو طلبا اور ان کے معاونین عربی مدارس میں تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اسلام دشمن جماعت کا مقصد پورا کرتے اور پوری مسلمان قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے عربی مدارس کے طلباء پر اس کی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ باقی رہے طلبا کے جائز مطالبات ان پر مجلس انتظامیہ غور کر کے مناسب فیصلہ کرے گی۔ لیکن تخریب پسند طلبا کو دار العلوم کو نقصان پہونچانے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی جا سکتی۔

بقیہ مسیحی مشن

منور کیا تھا۔ آج اس قوم کو پاکستان میں علم سکھانے کے لئے مشن اسکول کالج قائم کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس کا مقصود علم کی اشاعت نہیں بلکہ اس ذریعہ سے مسیحیت کی ترویج ہے۔ یورپین ٹائپ مشن اسکولوں کی تعداد قیام پاکستان کے بعد دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔

لسان العصر اکبر الٰہ آبادی نے اس نوع کے اسکولوں اور کالجوں کے باب میں کہا تھا ؎

یوں قتل سے بچّوں کے بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یہ ایک یقینی امر ہے کہ بچہ ماحول سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور استاد کے سامنے بچے کی لوحِ قلب سادہ ہوتی ہے، اس پر جو نقوش وہ چاہے کندہ کر سکتا ہے ظاہر ہے کہ جب ماحول عیسائی ہو استاد عیسائی ہوں اور نصاب تعلیم میں عیسائیت کو مرکزی مقام حاصل ہو تو کیوں نہ بچہ صورت و سیرت کے اعتبار سے پورا عیسائی بن کر نکلے گا۔ ان اسکولوں میں کلی طور پر اسلامی تعلیمات سے بچے کو ناآشنا رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے لاشعور پر عیسائیت کا ایسا سکہ بٹھا دیا جاتا ہے کہ اسے عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی ہر چیز گھٹیا نظر آتی ہے مسلمان علماء کا کردار ایسے گھناونے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے کہ وہ علماء کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اور پادری خواہ کتنے ہی بدخلق کیوں نہ ہوں اس کے واسطے وہ بڑے پاکیزہ اور مقدس ہوتے ہیں اور وہ انھیں فادر (والد محترم) کہتا ہے اور ان کے سامنے ادب سے جھک جاتا ہے۔

امراء طبقہ کے اندر پہلے ہی دین برائے نام ہوتا ہے اس پر جب متعصب عیسائی استاد کا اثر ہوتا ہے تو رہی سہی دینی رمق بھی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خود مجھے ایک اسکول کا واقعہ معلوم ہے جہاں ایک لڑکے نے تاریخ کی کتاب میں ابوبکر صدیق کا نام پڑھا تو ساتھ ہی رضی اللہ عنہ کہہ دیا۔ اس پر عیسائی استاد بچے پر بہت برہم ہوا اور اس کو خوب ڈانٹا۔ اس ڈانٹ کا اثر جو بچوں پر پڑا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ افسوس ہمارے مسلمان امراء ان اسکولوں کی ظاہری حسن و جاذبیت، بچوں کی بھڑکیلی پوشاک اور انگریزی بول چال سے متاثر ہو کر پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کے بچے ان اسکولوں میں داخل ہو جائیں۔ خواہ انھیں کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے یہ بچے ایمان سوز اسکولوں سے عیسائیت کے سانچہ میں ڈھل کر نکلتے ہیں۔

اس طرح ملک و ملت کے اکثر کلیدی مقامات پر وہ طبقہ مسلط ہو جاتا ہے جو عیسائیت سے تحت الشعور میں مرعوبیت کا شکار ہوتا ہے، اب ظاہر ہے کہ ایسے طبقہ سے اسلام کی خدمت کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ عیسائی نواز رہتا ہے۔ اور مشنریوں کا آلۂ کار بنا رہتا ہے جسے وہ برابر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

ایلوپیتھک میٹریا میڈیکا اردو یا علم الادویہ ڈاکٹری

از حکیم مظفر حسین اعوان و ڈاکٹر اختر حسین اعوان

یہ ایک جدید معتبر گائیڈ ہے کہ جو ہر ایک اردو داں حکیم ڈاکٹر، جرّاح، سنیٹری انسپکٹر کیمسٹ ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو ضرور اپنے پاس رکھنی چاہیئے۔ اس میں ڈاکٹری ادویہ کے مجرب نسخہ جات مقدار خوراک اصول علاج بہ ترتیب انگریزی حروف تہجی لکھے گئے ہیں۔

کاغذ و طباعت نہایت عمدہ۔ قیمت ۱۸ روپے

ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ

خورشید بک ڈپو

قریب ڈاک خانہ۔ امین آباد لکھنؤ

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی

سید محمد ثانی حسنی اڈیٹر رضوان

ایک تھی بھوپال میں علم و یقین کی بارگاہ
سب کو ملتی تھی جہاں سے پاکیٔ قلب و نگاہ

بارگاہِ نور تھی وہ ایک عالی خانقاہ
خانقاہِ دیں پناہ و جلوہ گاہِ مہر و ماہ

صدرِ بزمِ نور کے حضرت شہ یعقوب تھے
اہلِ عرفان و یقیں کو دل سے جو محبوب تھے

خوبرو خندہ جبیں شیریں ادا شیریں مقال
پاک صورت نیک سیرت خوش خصال و خوش خیال

خاندانِ احمد سرہند کے چشم و چراغ
نقشبندی سلسلہ کے پاک دل روشن دماغ

اہلِ دل کے واسطے وہ نقطۂ پرکار تھے
طالبانِ معرفت پر ابر گوہر بار تھے

اس جہاں سے اُف شہ یعقوب بھی رخصت ہوئے
ہو کے پیارے وہ خدا کو داخلِ جنت ہوئے

کیا مبارک حال تھا ان کا بوقتِ ارتحال
رو بحق تھے اور غرقِ بادۂ عشقِ بلال

چھا رہی تھی کیفیت دل پر نیاز و ناز کی
بس اسی عالم میں اُن کی رُوح نے پرواز کی

جن کی صحبت سے تھا حاصل بیقراروں کو قرار
جن کی خدمت سے میسر تھا حیاتِ نوبہار

جن کے ملفوظات سے ملتی تھی سب کو زندگی
بندگی تابندگی فرخندگی رخشندگی

ایسے مردِ حق سے دُنیا ہوگئی محروم آہ
خاک سے بھوپال کی گوہر ہوا معدوم آہ

مردِ حق رخصت ہوا تو خیر و برکت اٹھ گئی
قدر جس کی کی نہ ہم نے وہ ہی نعمت اٹھ گئی

جان کر منجملۂ خاصانِ ربّ العالمین
مدتوں رویا کریں گے اہلِ دل اہلِ یقیں

"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے"